۱۔ رنگ رنگ کے آنچل

موجودہ دور کی اچھی شاعرات کی تخلیقات

۲۔ میور پنکھ

نمائندہ شاعرات کی نمائندہ شعری تخلیقات

۳۔ انگڑائیاں

اچھی شاعرات کے بہترین اشعار

۴۔ نقوشِ پا

قدیم شاعرات کے منتخب اشعار

... کئی اردو شاعرات کے شعری مجموعے ترتیب پا چکے ہیں۔ قدیم شاعرات میں احمدی بیگم سونی پت۔ ماہ عفیفہ دہلی۔ نواب صدر محل۔ نواب عالم ملکہ واجد علی شاہ۔ سلطان بیگم۔ عابدہ امراؤ بیگم۔ شاہ جہاں بیگم شیریں وغیرہ "صاحبِ دیوان" گذری ہیں۔

جدید شاعرات میں سیدہ اختر کے کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔ ادا جعفری بدایونی کا مجموعہ "میں ساز ڈھونڈتی رہی" اردو ادب میں ایک بہترین اضافہ ہے۔ ججمہ تصدق کے "سوشعر" بھی ایک چونکا دینے والا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ زیب عثمانیہ کا مجموعہ "متاعِ حرم"، زاہدہ خاتون کی دو کتابیں "آئینہ حرم" "فردوسِ تخیل" "اشک خونیں" از سپہر آرا خاتون پنہاں۔ بلقیس جمال کا "آئینہ جمال" اور "قوس قزح" — پھر "غزال" از غزالہ بریلوی "جذبات بیکس" مصنفہ بلقیس فاطمہ بلقیس "گلستان سخن" از محمودہ خاتون وغیرہ بھی کافی مقبول ہوئے ہیں۔ بانو طاہرہ سعید۔ کا "برگ سبز" بھی ابھی منظرِ عام پر آیا ہے رومی دہلوی وحیدہ نسیم اور رشیدہ سلیم سیمیں کے شعری مجموعے بھی چھپ رہے ہیں۔ ...

رنگ رنگ کے آنچل

○ — موجودہ دور کی نمائندہ شاعرات کی تخلیقات

فلمی دنیا کے دو نامور ستارے :

مجھ کو احساس کی شدت نے کہیں کا نہ رکھا

خود محبت کو ـــ محبت نے کہیں کا نہ رکھا

مینا کماری ناز

اے تبسم نہ پوچھ فتح و شکست

ہے وہ فاتح جو ہار آتا ہے

جانتی ہوں تسلیوں کا فریب

پھر بھی دل کو قرار آتا ہے

تبسم سحر

رشیدہ سلیم سیمیں

"ترنم میرا باقی ان کا" کے اس دور میں بھی اردو میں اچھی، بہت اچھی شاعرات کی کمی نہیں جن میں بے پناہ خداداد صلاحیتیں موجود ہیں اور بلاشبہ ان میں رشیدہ سلیم سیمیں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتی ہیں۔

خوب سے خوب تر کی جستجو نے ان سے کیا کچھ نہ کروایا، بی اے آنرز، پنجابی آنرز، ایم اے اردو، بی ٹی کے مراحل طے کرا کے راولپنڈی میں سپرنٹنڈنٹ ایجوکیشن بنا دیا۔ بہت اچھے شعر کہلوائے اور اسی لگن کے سہارے ان دنوں پی ایچ ڈی کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔

چند خوبصورت غزلوں کی تخلیق کی ہے انہوں نے، اور ان خوبصورت اور ذہین بچوں کی ماں بن کر، اس کا سارا کریڈٹ اپنے شوہر کو سونپ رہی ہیں جو بذات خود حسین و جمیل ہیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں۔ پی ایچ ڈی کے بعد بھی ان کی ایذا پسندی ان سے کئی اور مراحل طے کروائے گی اور انہیں خود نہیں معلوم کہ ان کی منزل کہاں ہے۔

"اگر میں شعر کہنے کی صلاحیت خود میں نہ پاتی تو کبھی کی مر چکی ہوتی" ان کا یہ جملہ ان کی پوری زندگی اور تمام تر جذبات کا ترجمان ہے۔۔۔!

جن کے سامنے بیٹھ کے ہم نے دل کے زخم چھپائے ہیں

آج نہ جانے ان کے نام پہ، کیوں نیناں بھر آئے ہیں

لوٹ کے لے جاتے ہیں دل کی دنیا جو اندھیارے میں

دن کے اجالے میں وہ سوداگر کے بھیس میں آئے ہیں

اشکوں کے موتی، داغوں کے نگینے، زخموں کے پھول

دل والوں کے شہروں سے کیا کیا سوغاتیں لائے ہیں

دیکھ ہمیں بدنام نہ کر، ہم تیرے دیوانے تھے

یوں بھی کسی نے تیری جفا کے افسانے پھیلائے ہیں

تجھ بن ساجن من سنگیت ادھورا، کون کرے پورا

آشاؤں نے من بینا کے، ٹوٹے تار سجائے ہیں

پیار کی چھب دکھلا کر دنیا کیا کیا روپ بدلتی ہے

من مورکھ کیا جانے، کون اپنے ہیں کون پرائے ہیں

اتنے دکھ جھیلے ہیں، سکھ کا اب کوئی ارمان نہیں

دکھ ساتھی بن جاتے ہیں، سکھ دو دن کے ہمسائے ہیں

سیمیں کا من روتا ہے اب دھیرج کون بندھائے گا

لوگو! تم کیا جانو، اس نے کتنے دکھ اپنائے ہیں

چاہنے والوں پہ ہر بات کا الزام آیا
ضبط و ایثار محبت مرے کس کام آیا

تیری بات آئی تو ہونٹوں پہ سلگتی رہی آنچ
اشک پینے کا سلیقہ بھی بڑے کام آیا

کج ادائی کا تری ہم نے بھرم رکھا ہے
خیر گذری کہ وفا پر نہیں الزام آیا

جذبِ دل تیری رفاقت میں گیا ہو شاید
نامہ آیا بھی ترے نام تو بے نام آیا

حسنِ اعجاز ہے یا میری عقیدت کا کمال
لب مہک اٹھے زباں پر جو ترا نام آیا

تیرے پہلو سے صبا لائی ہے تیری خوشبو
صبحدم بوئے سمن میں ترا پیغام آیا

کس تکلف سے مرے حال کی پرسش کی ہے
کس سلیقہ سے مرے نام پہ الزام آیا

صبحِ نو

(۱)

نئے جہاں کی نئی زمیں پر
نئے اجالے کی شوخ کرنیں
سیاہ راتوں کی تیرگی کو
نئے تبسم سے ڈھانپتی ہیں
حسین منزل کے جادہ پیما
غمِ مسافت سے ہو کے غافل
دلوں میں ذوقِ سفر کی عظمت
نظر میں تعمیرِ نو کی وسعت
لئے ہوئے ——
شوق سے رواں ہیں
نئے جہاں کی نئی زمیں پر

(۲)

نئے اجالے نئی سحر نے
غموں کی تاریکیاں مٹائیں
زمانہ خوابِ گراں سے چونکا
سمٹ گئیں ظلمتیں گماں کی
یقین کا دور آگیا ہے
کدورتِ شب، غبارِ ظلمت
بکھر گیا ہے، نکھر گیا ہے
سیاہ شب کا مہیب دامن
گلوں کی صورت سنور گیا ہے
قدم بڑھے حوصلے بڑھے ہیں
جہاں سے نقشِ کہن مٹے ہیں
نئے نئے راستے ملے ہیں
نئے اجالے نئی سحر سے

نئی سحر کے ، نئے ارادے

نئے اصولوں میں ڈھل رہے ہیں

وطن کی خاطر وطن کے خادم

اٹھے ہیں لیکر نئی امنگیں

نظر میں اخلاص کارفرما

لہو میں پیہم رواں اخوت

دلوں میں ہے موجزن محبت

یہ صبح تو کتنی دلربا ہے

سمٹ گئے تیرگی کے سائے

نئی سحر کے نئے ارادے!

•

سیّدہ اختر

"نوجوانوں کو سیدہ اختر کی مخلصانہ و بے غرضانہ خدمات وطن کے راستہ پر چلنا چاہیے"۔

جواہر لال نہرو

"اس آتش نوشاعرہ کا شعر و ادب ملک و قوم کی تعمیر کے لئے ایک پیامِ جاوداں ہے"۔

علامہ اقبال

" آپ کا نام پہلے لیڈر، پھر خطیبہ اور آخر میں شاعرہ ہے۔ محترمہ سیدہ اختر قومی جوش میں کسی مردِ خادمِ قوم سے کم نہیں ہیں۔ شعر بھی بہت سے شاعروں سے اچھا کہہ لیتی ہیں اور پڑھتی بھی خوب ہیں"۔

شوکت تھانوی

انقلاب

وہ دن ہیں یاد کہ تم سے بڑی خوشی سے ملے
خوشی تو ایک طرف اپنی زندگی سے ملے

تمہاری نرگس مخمور ہم نے یوں دیکھی
کہ جیسے رند کوئی کیف میکشی سے ملے

وہ ربط حسن و محبت وہ قرب ناز و نیاز
غرض کہ پہلے پہل کس ہماہمی سے ملے

وہ مرحمت وہ نوازش وہ التفات و کرم
تمہیں بتاؤ کہ تم کتنی دلکشی سے ملے

وہ جاں نواز ترنم، وہ شوخیٔ رفتار
وہ شعریت کہ جو دنیائے شاعری سے ملے

وہ لب پہ موجِ تبسم وہ انکھڑیوں میں شباب
ہزار کیف لیے میری بیخودی سے ملے

مگر یہ آج عجب انقلاب ہے اے دوست
کہ تم جو ہم سے ملے بھی تو بیرخی سے ملے

نہ التفات گذشتہ نہ ارتباط قدیم
کہ اجنبی کوئی جس طرح اجنبی سے ملے

یہی ہے اختر آتش نوا و عشق پرست
یہ کیا کہ غیر بنے، آج تم اسی سے ملے

کچھ نہ پوچھو ان مدھ بھری آنکھوں کے پیمانے کا نام
میرے ساغر کا تعارف ہے میرے میخانے کا نام

ضبطِ بیتابی نہ درد شوق دہرانے کا نام!
"عشق" پروانہ صفت ہے صرف جل جانے کا نام

شمع کے جل بجھنے کا ہے ہر زباں پر تذکرہ
اور کوئی لیتا نہیں محفل میں پروانے کا نام

دل کی بیتابی سے ہے بیتاب ساری کائنات
میرے افسانے سے پیدا ہے ہر افسانے کا نام

خلوتِ دل ہے کہ واعظ ایک بزم مہوشاں
اور کچھ رکھ لیجئے ایسے صنم خانے کا نام!

یہ جہانِ عشق ہے اے رہ نوردانِ وفا!
بھول کر بھی تم نہ لینا دل کے گھبرانے کا نام

دیکھتے ہیں بار بار اختر مجھے اہل نظر
میرا افسانہ ہے شاید ان کے افسانے کا نام

برسات

آویزشِ اقوام پہ روتی ہوں میں دن رات
کیا جانے یہاں کوئی مری آنکھوں کی برسات
اس عہد کے انسان نہ احساس نہ جذبات
کوئی مری آواز کو سنتا نہیں ... ہیہات
اربابِ سیاست کی رہ و رسم نہ پوچھو
یوں جنگ میں مصروف زباں صرفِ مدارات
جن قدموں پہ ہوتی ہے نظر اہلِ ہوس کی
پہلے انہیں کر دیتی ہیں ممنونِ عنایات
پھر ان کو بنا لیتے ہیں دریوزہ گر اپنا
کر دیتے ہیں پھر تنگ زراں کیلئے دن رات
کیا گفتگوئے صلح کا ظاہر ہو نتیجہ
لب پر تو ہے اظہارِ یقیں، دل میں ہیں شبہات
اخترؔ یہ زمانہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں!
ہر اہلِ صداقت ہے رہینِ غم و آفات

وحیدہ نسیم

بچپن سے طبیعت میں عند کے ساتھ انفرادیت پسندی تھی اس لئے
اولین دور میں غلط سلط شعر گوئی کے باوجود کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ جب
کوئی دوسرا شخص ان کے شعروں کی اصلاح کر کے ان کا مافی الضمیر ختم کر دیتا
یا مطلب خبط کرتا تو یہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتیں۔ انھوں نے شعر تو بہت سنائے
لیکن بہ نظر اصلاح کسی کو نہیں دکھایا، بلکہ ہر دو سال بعد اپنی پرانی نظموں کی خود
اصلاح کرتی رہیں۔

سائنس سے بھی اتنی ہی گہری دل چسپی ہے جتنی شاعری سے۔ ۱۹۵۰ء
میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے ایم۔ ایس، سی کیا اور ۱۹۵۲ء میں کراچی چلی گئیں۔
۹-۹-۳۶ کو پیدا ہوئیں۔ ان کی والدہ شمع اعجاز کی تمنا تھی کہ یہ شاعرہ
بنیں۔ انہوں نے ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء سے شاعری شروع کی اور اب تک ایک
ہزار سے زیادہ نظمیں لکھ چکی ہیں اور ان کا خیال ہے کہ محض ترنم کے سہارے
غلط اور کمزور شعر زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتے۔

سحر نہ ہوئی

تلاشِ صبح میں نکلے تھے شب کو دیوانے — بھٹک کے رہ گئے لیکن کہاں خدا جانے
ستم سفر کے اٹھائے مگر سحر نہ ہوئی

جو میکدہ میں تھے ان آتشیں ایاغوں سے — گھروں کے طاق میں جلتے ہوئے چراغوں سے
اجالے چھین کے لائے مگر سحر نہ ہوئی

فلک پہ آمدِ خورشید کی خبر پا کے — ہمیں نے صبح کے جھوٹے فریب کھا کھا کے
گھروں کے دیپ بجھائے مگر سحر نہ ہوئی

فراقِ صبح میں دم توڑنے لگے غنچے — چمن میں شبنمِ گریاں نے اشکِ تر اپنے
کلی کلی پہ بہائے ۔ مگر سحر نہ ہوئی

چمن کو چھوڑ کے بے آب و گیاہ راہوں میں — وطن سے دور کہیں اجنبی دیاروں میں
افق کے ناز اٹھائے مگر سحر نہ ہوئی

اندھیری رات کے رہبر بچھڑ گئے سارے — چمک رہے تھے جو شب کو وہ سب حسین تارے
شفق کی خوں میں نہائے مگر سحر نہ ہوئی

خزاں کے خوف سے خنداں نہ ہو سکے گلشن — نسیمِ صبح نے گل سے بھرے ہوئے دامن
قدم قدم پہ لٹائے مگر سحر نہ ہوئی

ایک تکمیلِ داستاں کے لئے

دل کے ٹکڑے کہاں کہاں کے لئے

تم حقیقت ہو قلب و جاں کے لئے

ہم فسانہ ہیں دو جہاں کے لئے

ابتدا تم ہو، انتہا تم ہو

ہم تو ہیں بس زیبِ داستاں کے لئے

تم سے قائم جمالِ دیر و حرم

ہم ہیں خاکِ آستاں کے لئے

شمع کہتی اگر، تو کیا کہتی!

دردِ الفت نہ تھا بیاں کے لئے

چند اشکوں میں رہ گئے ڈھل کر

حرفِ مطلب جو تھے زباں کیلئے

اے نسیمِ بہار، کیا کہتا

پھول چنتی ہے تو خزاں کیلئے

نہ بہار کی شکایت، نہ گلہ ہے باغباں سے
یہ چمن کو کیا ہوا ہے کہ ہے مطمئن خزاں سے

یہ قدم قدم پہ بندش، یہ روش روش پہ پہرے
کہ نہ رو سکے لپٹ کر، کوئی خاکِ آشیاں سے

یہ ہماری خستہ پائی، کہ رواں دواں ہیں لیکن
نہ تو کارواں میں شامل، نہ جدا ہیں کارواں سے

نئے رنگ بھر دیئے ہیں، وہیں ربطِ آرزو نے
مری داستاں کے ٹکڑے، نہ ملے جہاں جہاں سے

وہی بدنصیب ذرے، ہیں غبار اب زمیں کا
کبھی ٹوٹ کر گرے تھے جو فلک کی کہکشاں سے

یہ وہ قافلے ہیں ہمدم کہ نہ پوچھ جن کی منزل
نہ بتا سکیں گے یہ بھی کہ چلے تھے یہ کہاں سے

یہی کربِ زندگی ہے یا یہی دردِ بندگی ہے
یہی حرفِ آرزو ہے، جو نہ نکل سکا زباں سے

یہی نظمِ گلستاں ہے، تو نسیم کیا کرے گی
وہ بہار میں لٹیں گے، جو بچے رہے خزاں سے

ساجدہ زیدی

رات

شفق میں ڈوب گئیں سرخیاں افق سے پرے
سسک کے شعلۂ افلاک بجھ گیا ــــــ آخر
ہیں بارِ نیند سے بوجھل فضاؤں کی پلکیں
ستارہ شام کی کیفیتوں سے مدھم ہے
دہک اٹھے ہیں مگر دل کے داغ کیا کیجئے
پھر آرزو کے جلے ہیں چراغ ، کیا کیجئے

پھر جگا دوں دلِ شوریدہ میں طوفاں کوئی

پھر کسی طرح شبِ غم کی سحر ہو جائے

پھر سنا دے ترے دیدار کا مژدہ کوئی

پھر وہی کیفیتِ قلب و جگر ہو جائے

پھر تصور میں تری یاد کے جلتے ہیں چراغ

کہکشاں کیوں نہ مری راہ گذر ہو جائے

پھر قدم دوریٔ منزل کے بلاوے پہ اٹھے

کیوں نہ ہر خارِ سفر، گردِ سفر ہو جائے

پھر تقاضائے وفا ہے، ترا پیغامِ لطیف

پھر یہ اپنی پاسِ خودی، ختم نہ یہ سر ہو جائے

آرزوؤں کے فریب اٹھتے ہی ہے تنہا مرا دل

آگہی، ہاں ترا دامن بھی نہ تر ہو جائے

لذتِ تلخیٔ ایام ابھی اور بڑھے

چند روز اور اسی طرح بسر ہو جائے

تیز آتشکدۂ شوق کی گرمی کر دیں

انتظارِ سحر، آغازِ سحر ہو جائے

زیب النساء زیب

وطن دھولیہ۔ فائنل میں کامیاب ہونے کے بعد پونہ ٹریننگ کالج سے ٹرینڈ ہوئیں۔ فارسی اور عربی کی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ پندرہ برس سے بمبئی میونسپل اسکول میں بحیثیت معلمہ ملازم ہیں۔

اول اول تو خاموشی سے شعر کہتی رہیں اور اخبارات میں بھیجتی رہیں پھر گذشتہ چار سالوں سے مشاعروں میں بھی حصہ لینے لگی ہیں طبیعت کا رجحان اگرچہ نظموں کی طرف زیادہ ہے تاہم کبھی کبھی غزلیں بھی کہہ لیتی ہیں حضرت خلیق برہانپوری سے مشورۂ سخن کرتی ہیں۔

یلغار

(بمبئی میں پانی کے نل پر جھگڑا)

آئی بڑی کہیں کی، ٹھہر جا جہنم جلی — خالی گھڑا اگر یہ لئے تو کہاں چلی

دیدے دکھا کے کس کو ڈراتی ہے او بلا — چونڈا پکڑ کے پٹوا دوں گی ترا دیا

دیکھو تو بس کی گانٹھ کو کیسی ہوا لگی — دیکھا نہ آؤ تاؤ مرے پیچھے آ لگی

کیا ہو گیا جو میں نے گھڑا پہلے بھر لیا — نل تیرے باپ کا ہے کہ جو چاہا کر لیا

سن اے چڑیل تجھ سے سوا میں چڑیل ہوں — مونڈی کٹی میں کیا تری کوئی ذلیل ہوں

اب کیا کہوں میں اس کا بوا تم سے ماجرا — دیدے پھٹی نے چال میں کیا کچھ نہیں کیا

اُف اس کی بات کا نہ کوئی اور چھور ہے — ماٹی ملی کو مفت میں لڑنے کا زور ہے

کیا کسمسا رہی ہے جوانی تری ڈھلے — اللہ کرے زبان کٹے تیرا منہ جلے

پڑ جائے میرا صبر تجھے کل کی آج آئے　　پروردگار عید بھی تجھ کو نہیں دکھائے

لے زینب صبح و شام یہی مار دھاڑ ہے

گالی گلوچ اور پچھاڑم پچھاڑ ہے

یہ عورتیں یہ مائیں یہ بہنیں یہ بیویاں　　کہتے ہیں جن کو حضرت حوا کی بیٹیاں

کیا یہ وہی ہیں جن کی وراثت میں ہے حیا　　کیا یہ وہی ہیں جن کی محبت ہے بے ریا

کیا یہ وہی ہیں دور جو کرتی ہیں کلفتیں　　تا حال جن کی گود میں پلتی ہیں ملتیں

کیا یہ وہی ہیں جن سے وفا کا سبق ملا　　آغوش جن کا مدرسۂ تربیت رہا

حیراں ہوں آج انکی شرافت کو کیا ہوا　　کردار ان کا کونسی دنیا میں کھو گیا

اچھے کا ہے خیال نہ کچھ فکرِ زشت ہے

یہ وہ ہیں جن کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

تری جستجو میں جو اہلِ دل کبھی حد سے اپنی گذر گئے
وہیں کائنات ٹھہر گئی، وہ جہاں بھی چل کے ٹھہر گئے

بڑی مشکلوں بسر ہوئی بڑی آفتوں سے گذر گئے
تری آرزو رہی اب جینے [illegible] تری آرزو ہی میں مر گئے

انہیں ان سے کوئی غرض نہیں جو ریاضِ غم کے ہیں خوشہ چیں
وہ بگڑ گئے تو بگڑ گئے، وہ سنور گئے تو سنور گئے

انہیں زندگی کا شعور کیا، انہیں زندگی کا سرور کیا
وہ کہیں گے تیرے حضور کیا کہ جو شام آئے سحر گئے

کہیں تیرے لطف کے تذکرے کہیں تیرے جور کے واقعے
مرے دل کی طرح سمٹ گئے مرے غم کی طرح بکھر گئے

گل و لالہ نرگس و یاسمن. جو کھلے ہیں زیب چمن چمن
مری داستاں کے ہیں یہ ورق جو روش روش پہ بکھر گئے

شاہجہاں بانو یادؔ دہلوی

یادؔ صاحبہ کو اتنا یاد ہے کہ ۱۹۵۲ء سے باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں موسیقی اختیاری مضمون تھا اور اب شاعری اور موسیقی ان کے جزو حیات ہیں۔

اور ان کے والدین کا کہنا ہے کہ یہ گوالیار میں ۲؍ فروری ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئی تھیں۔

ابتدائی تعلیم گوالیار میں ہوئی تھی۔ میٹرک کے بعد اردو کے کئی متفرق امتحانات پاس کئے۔ دہلی اور دیگر ریڈیو اسٹیشنوں سے ان کے پروگرام نشر ہوتے رہتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ غزل ہی ایسی صنف ہے جس میں ہر بات بڑے حسین انداز میں کہی جا سکتی ہے۔!

کچھ ایسے ذکر، ذکرِ بہاراں میں آگئے
ہم خود چمن سے اُٹھ کے بیاباں میں آگئے

اب کوئی پوچھے شہرِ نگاراں کی وسعتیں
اہلِ نگاہ شہرِ نگاراں میں آگئے

شاید یہ راز اہلِ محبت سمجھ سکیں
ہم کیوں فریبِ گردشِ دوراں میں آگئے

اب میرے دل میں کوئی تمنا نہیں رہی
لمحاتِ ہجر بھی مرے امکاں میں آگئے

اے یاؔدؔ اس کی شان کریمی پہ ناز کر
سب جلوے اک نگاہِ پشیماں میں آگئے

o

مستقل اندھیرا ہے، مستقل ہے تنہائی
ہم کو مطمئن کرنے ، زندگی کہاں لائی

جب کسی سفینے سے، موج کوئی ٹکرائی
زندگی کے ماتھے، ہر شکن ابھر آئی

ہے مری نگاہوں میں، ذرہ ذرہ آئینہ
آپ ہی تماشا ہوں آپ ہی تماشائی

موت کو حسیں کہہ کر آج ہم نے یہ جانا
اس طرح بھی ہوتی ہے زندگی کی رسوائی

آج ان کے چہرے سے میرا غم نمایاں ہے
عمر بھر کی بے تابی، آج مجھ کو راس آئی

برق آ کے لہرائی، جب کسی نشیمن پر
میرا دل لرز اٹھا، میری آنکھ بھر آئی

جانے کتنی امیدیں، یاد رقص کرتی ہیں
پھر بھی کم نہیں ہوتی، اپنے دل کی تنہائی

ہم نے مانا کہ ستم جزوِ کرم ہوتا ہے
لیکن اس دور میں یہ حادثہ کم ہوتا ہے

اپنی ہستی میں جو محدود ہیں وہ بھی مجرم
اپنی ہستی سے گذرنا بھی ستم ہوتا ہے

یہ حقیقت ہے کہ تقدیر کے ہم قائل ہیں
پھر بھی ناکامیٔ تدبیر کا غم ہوتا ہے

کیا برا ہے کہ ہو تعمیر وہاں میخانہ
جس جگہ معرکۂ دیر و حرم ہوتا ہے

وقت کے ساتھ تو چلنا ہی پڑیگا اے یاد
ہاں مگر وقت بہت تیز قدم ہوتا ہے

آج اہلِ غم کو جانے کیا ہوا

چل دیا ہر غم کو ٹھکراتا ہوا

یاد ہے ہر داستانِ زندگی

زندگی اک خواب ہے دیکھا ہوا

اپنا سایہ بھی گذرتا ہے گراں

کس سے پوچھیں ہم کہ ہمکو کیا ہوا

زخمِ دل ہنستے رہے تیرے بغیر

دل مگر بے وجہ شرمندہ ہوا

آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر

آج اپنے غم کا اندازہ ہوا

گوش بر آواز ہے سارا جہاں

کوئی گذرا ہے غزل گاتا ہوا

بھولنے والے کو تو بھی بھول جا　　یاد اب جو کچھ ہوا، اچھا ہوا

روحی دہلوی

نام : سوشیل کماری۔

تعلیم : انگریزی میں میٹرک، ہندی میں اعلیٰ ڈگری۔

میرٹھ میں پیدا ہوئیں، ہندی رسائل میں ایک عرصے ان کا ہندی کلام شائع ہوتا رہا۔ اردو شاعری کا شوق مشاعروں سے پیدا ہوا اور سات آٹھ سال سے اردو میں شعر کہتی ہیں۔

ان کے والد چونکہ ملٹری میں تھے اس لئے بسلسلہ ملازمت انہیں ہندوستان کے ہر حصہ میں جانا پڑا جس سے بنگالی، گجراتی، تامل کے علاوہ اور کئی زبانوں سے واقفیت حاصل ہوگئی۔

اچھے اشعار اور اچھا ترنم — انہیں موجودہ دور کی شاعرات میں ایک ممتاز مقام کی مستحق قرار دیتے ہیں۔

پہلی سی مجھ پہ ان کی عنایت نہیں رہی

گویا مرے نصیب میں راحت نہیں رہی

اس طرح ان سے ترکِ وفا کر رہے ہیں ہم

جیسے کوئی نباہ کی صورت نہیں رہی

جب سے بدل گئی ہے تری چشم التفات

مجھ کو بھی زندگی سے محبت نہیں رہی

اپنوں نے دی ہے دادِ محبت کچھ اس طرح

اب دشمنوں سے کوئی شکایت نہیں رہی

شاید ترا ستم بھی انہیں راس آ چکا!

جن کو ترے کرم کی ضرورت نہیں رہی

دل میں تھی ایک ذرا جو فراغت کی آرزو

اب وہ بھی تیرے غم کی بدولت نہیں رہی

روحیؔ کسی کی یاد نے اپنا لیا مجھے!

دنیا کے حال و قال سے رغبت نہیں رہی

اگر میری جبیں کو تیرا سنگِ آستاں ملتا

تو مجھ کو دہرِ فانی میں سکونِ جاوداں ملتا

ترے غم کی عنایت سے اگر محروم ہو جاتے

تو پھر ہم کو یہ لطفِ سوز و سازِ دل کہاں ملتا

ہمارے نقشِ پا کام آ گئے اے قافلے والو

وگرنہ عمر بھر تم کو نہ منزل کا نشاں ملتا

نہ بھولے سے کبھی دیر و حرم کی آرزو کرتے

اگر تقدیر سے ہم کو درِ پیرِ مغاں ملتا

اگر چشمِ حقیقت سے کوئی دیکھتا روحی

تو ہر قطرے میں پنہاں ایک بحرِ بیکراں ملتا

وہ گل نہیں رہے وہ گلستاں نہیں رہے

شاید کہ ہم بہار کے شایاں نہیں رہے

اے دورِ جام تیری نوازش کا شکریہ

ہم شکوہ سنجِ گردشِ دوراں نہیں رہے

پنہاں رہے ہیں گو وہ ہماری نگاہ سے

لیکن ہمارے دل سے وہ پنہاں نہیں رہے

اب بھی لباسِ قیس میں کچھ لوگ ہیں مگر

وہ چاک دل وہ چاک گریباں نہیں رہے

رُوحیؔ وہ زندگی کے فسانے کہاں سے لائیں

مدّت سے زندگی کے وہ عنواں نہیں رہے

شکیلہ بانو بھوپالی

شکیلہ بانو کا نام ذہن میں آیا کہ کانوں میں کچھ میٹھی تانوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ آج کی یہ مشہور قوالہ بہت سی خصوصیات کی حامل ہے۔ یہ قوالہ بھی ہیں، اداکارہ بھی، شاعرہ بھی ہیں اور موسیقار بھی۔ یعنی شعر، سُر اور جذبات کا حسین امتزاج کہا جا سکتا ہے انہیں۔

۲۱ جون ۱۹۴۲ء کو بھوپال میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے شعر و شاعری سے لگاؤ رہا اور پھر بھوپال کا سلجھا ہوا ادبی ماحول ـــ بس، یہ شاعرہ بھی بن گئیں اور اسی ادبی ذوق کی تسکین کی خاطر قوالہ بھی بن گئیں۔ کئی فلموں میں کام کر رہی ہیں۔

الم کچھ اور کہتا ہے خوشی کچھ اور کہتی ہے
مری حالت پہ دنیا کی ہنسی کچھ اور کہتی ہے

غمِ دوراں سے گھبرا کر جو مرنے کی دعا مانگی
بڑی معصومیت سے زندگی کچھ اور کہتی ہے

نگاہِ یار کی شوخی ارے توبہ معاذ اللہ
کبھی کچھ اور کہتی ہے، کبھی کچھ اور کہتی ہے

یہ مانا سلسلہ وحشت کا ہے جیب و گریباں تک
مگر مجھ سے مری دیوانگی کچھ اور کہتی ہے

سرِ مقتل مجھے ظالم نے ایسے پیار سے دیکھا
لباسِ دشمنی میں دوستی کچھ اور کہتی ہے

بظاہر زندگی میں اک اندھیرا ہی اندھیرا ہے
مگر دل سے امیدِ روشنی کچھ اور کہتی ہے

خیالِ یار سے بیگانگی آساں نہیں بانو
دلِ مجبور کی بیچارگی کچھ اور کہتی ہے

یوں حقیقت بھرے لمحات کی توہین نہ کر
دیکھنے والے کے جذبات کی توہین نہ کر

وہی تیور، وہی اندازِ تکلم اے دوست
ایسے چپ رہ کے شکایات کی توہین نہ کر

دل جو ٹکرائے تو آواز زمانے نے سنی
اس انوکھی سی ملاقات کی توہین نہ کر

میرے کہنے سے نہ آ میرے بلانے سے نہ آ
لیکن اس تاروں بھری رات کی توہین نہ کر

تجھ کو لازم ہے کہا مان لے میرا یا تو
کچھ بھی کر رسم و روایات کی توہین نہ کر

زندگی قدموں میں ہے ٹھکرائیے
اور کیا خدمت کروں فرمائیے

غم نہ جینے کا، نہ مرنے کی خوشی
کون سا عالم ہے یہ سمجھائیے

آپ کیوں روتے ہیں اب اچھی ہوں میں
چارہ گر کی بات پر مت جائیے

زندگی کو اس قدر جلدی ہے کیوں
کون پوچھے گا اگر مر جائیے

اعتمادِ جستجو تو دیکھئے
ڈھونڈ ہی لیں گے اگر چھپ جائیے

خواب میں ہیں آپ اور تصویر غیر
اس کی کیا تعبیر ہے، بتلائیے

کیجئے بالتواب اپنا احترام
وسعتِ کونین پر چھا جائیے

قمر سلطانہ نگاہ

شعر کہنا اور اکیلے میں گھنٹوں سوچتی رہنا ان کی تفریح ہے اور ہر لمحہ یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں ماں کے ہونٹوں سے مسکراہٹ کی لکیریں معدوم نہ ہونے پائیں۔
۱۹۴۷ء سے اب تک اپنی زندگی کی بیس بہاریں اور اکیس خزائیں دیکھ چکی ہیں۔ جاگیردارانہ ماحول میں آنکھیں کھولیں اور والد کے انتقال کے بعد رشتہ داروں کے مظالم سہے۔ درد اٹھتا ہے تو شعر کہتی ہیں۔ خوش ہوتی ہیں تو سہیلیوں سے گپ شپ کرتی ہیں۔ پہلی غزل 'شمع' دہلی میں شائع ہوئی تھی ان کے مزاج میں مشرقیت رچ بس گئی ہے۔

حسنی سرور

سوزِ ناتمام

خزاں نے نوچ لیا ہے بہار کا چہرہ　　نہ لاؤ اس کو مرے سامنے خدا کیلئے
نکل گئی ہے تری چیخ اس تقاضہ پہ　　اک اور ظلم دلِ صبر آزما کیلئے

مرا جگر ہے کہ اس سے نباہ کرتی ہوں　　وگرنہ زندگی کچھ اتنی سہل تر تو نہیں
ترے لبوں پہ آئی ہے موج ہلکی سی　　کہیں یہ طنز ہماری حیات پر تو نہیں

مجال کیا جو ہمیں چھیڑتے یہ ہنگامے　　جگا دیا ترے قدموں کی چاپ نے ہمکو
مرے لبوں سے تعارف کرا کے آہوں کا　　صلہ دیا ہے وفاؤں کا آپ نے ہمکو

تجھے یہ شک کہ مرا پیار خود غرض تو نہیں　　اب اس غلط فہمی کا ازالہ کیونکر ہو
چھپا رہے ہیں بہاروں کو پلکے زخمِ جگر　　کریں تو کیسے فغاں، آہ و نالہ کیونکر ہو

کچھ خواب دے گیا ہے نئے موڑ پر کوئی
پاکر حسیں فریب مرا دل بہل گیا

آسرا دیتے ہیں خواب جھوٹے سہی
بات تم نے بڑی خوبصورت کہی
حسن کے کب سے جلوے ہیں بکھرے ہوئے
عشق کو دید کی آرزو ہی رہی
اپنے خوابیدہ ربط کا آیا خیال
روٹھنا تھا بہاروں کو بھی آج ہی
یوں ہی خوابوں میں ہم کھو گئے تھے ذرا
آپ نے کیا کوئی بات ہم سے کہی
ہم لکیریں بناتے، مٹاتے رہے
عمر بھر اپنی تقدیر روتی رہی
جب بہار آئی ہم پھوٹ کر رو پڑے
اور دنیا ہمیں دیکھتی ہی رہی
دیکھ لیں جرأتِ نغمہ کر کے نگاہ
اس بغاوت کا انجام کچھ بھی سہی

تری نظر بھی ہے آخر تری نظر ساقی
کبھی کبھی تو کوئی بات راز رہنے دے

جہاں میں زندگی مختصر سے تنگ ہیں ہم
جنابِ خضر کی عمر دراز رہنے دے

سنبھل سکے گا نہ مجھ سے یہ ڈر ہے تیرا پیار
ہیں رہ گذر میں نشیب و فراز رہنے دے

غموں کی دھوپ میں سایہ بھی چاہئے تھا ہمیں
بکھر گئی ہے جو زلف دراز رہنے دے

نقوشِ راہ کسی اور کے ہوں ممکن ہے
بس ایک سجدہ جبین نیاز رہنے دے

نگاہ ہم بھی فریب ایسے کھا چکے ہیں بہت
نہ کر تو اپنی محبت پہ ناز رہنے دے

روز آتا ہے میرے خوابوں میں
خوبصورت سا ایک شہزادہ
اے مرے دوست، تلخیٔ غم کا
کیا مداوا ہے ساغر و بادہ
نرم کرنیں ترے تبسم کی
زندگی کا نکھر گیا جادہ
فرط حیرت سے مر نہ جائیں کہیں
تم نہ ہونا وفا پہ آمادہ
آپ صورت سے آرہے ہیں نظر
کتنے معصوم، کس قدر سادہ
کبھی شرمندۂ وفا نہ ہوا
تیرا وعدہ، ترا حسیں وعدہ

شہر خوابوں، آرزوؤں کا
دور افتادہ، دور افتادہ

حُسنیٰ سرور

بچپن میں محلے بھر کے بچوں کو جمع کر کے اوٹ پٹانگ کہانیاں اور نظمیں سنایا کرتی تھیں۔ اب کبھی وہ باتیں یاد آتی ہیں تو بے اختیار ہنسی چھوٹ جاتی ہے۔ ان کی پہلی تخلیق ایک نعت تھی جو 'سویرا' بنگلور میں شائع ہوئی۔

زندگی کی کئی تمنائیں ادھوری رہیں۔ ان غموں سے فرار پانے اور داخلی و خارجی تسکین کے لئے شعر کہتی ہیں، کہانیاں لکھتی ہیں ابتدا میں کسی نے ہمت افزائی نہیں کی، البتہ خاندان کے بزرگ ترکِ شعر گوئی کی صلاح دیا کرتے تھے۔

۷ رجون ۱۹۳۷ء کی پیدائش ہے۔ شہید اعظم ٹیپو کی سرزمین میں نغمہ سرائی کر رہی ہیں۔

چلے ہیں جھوم کے پھر سوئے دار مستانے
رہیں تمہیں کو مبارک تمہارے میخانے
یہ کون بات کہی شمع نے خدا جانے
بہت اداس بہت مضطرب ہیں پروانے
پھر آج تشنہ لبی کا گلہ ہے رندوں کو
پھر انقلاب کی زد میں ہیں سارے میخانے
فلک کے ظلم و ستم کی ہمیں نہیں پروا
ستم تو یہ ہے کہ تم بھی لگے ستم ڈھانے
اگرچہ واقفِ آدابِ بزمِ یار ہیں ہم
یہ شرط ہے وہ مرا حالِ زار پہچانے
ہوا ہے اپنی تباہی کا غم ہمیں جب بھی
کچھ اور خواب دیئے ہیں تری تمنا نے

قریب ہو کے گذرتے ہو اجنبی کی طرح
اب آرہا ہے اسی بے رخی پہ پیار مجھے

سنا کہ تو نے مرا آشیاں جلایا ہے
یہ سچ بھی ہو تو نہیں اس پہ اعتبار مجھے

ان آنسوؤں سے کچھ اس طرح ہو گئے مانوس
ہنسی لبوں پہ گذرنے لگی ہے بار مجھے

گماں ہوا شفقِ شام پر سویرے کا
خزاں بھی آج نظر آئی ہے بہار مجھے

یہ جھنجھلا کے بغاوت کہیں نہ کر بیٹھیں
نہیں ہے اپنی وفاؤں پہ اعتبار مجھے

کوئی بتاؤ خزاؤں کا ظلم کیا شے ہے
کچھ اور زخم نئے دے گئی بہار مجھے

سیاہ رات یہ حسنیٰ کٹے کٹے نہ کٹے
اب آرزوئے سحر ہے نہ انتظار مجھے

باغباں نظمِ گلستاں کرتے
نکہتِ تعمیرِ آشیاں کرتے

اپنی قسمت پہ اختیار نہیں
ورنہ ہم تم کو مہرباں کرتے

بدگماں ہم سے آپ ہیں لیکن
ہم بھی جو آپ پر گماں کرتے

بڑی حیرت سے دیکھتے تھے قفس
ہوش کب تھا جو ہم فغاں کرتے

آ کے پل بھر پلٹ گئی ہے بہار
کس سے ہم شکوۂ خزاں کرتے

کاش مل بیٹھتے تو کچھ سنتے
اور ہم اپنا دکھ بیاں کرتے

غم ہی غم تھے نصیب میں حسنیٰ
زندگی کٹ گئی فغاں کرتے

زہرہ دیولالوی

پیدائش : دیولالی کیمپ

جون ۱۹۳۶ء

والدِ محترم : سید محمود

تعلیم : اردو بی ٹی سی

ذوق : ادبی کتب کا مطالعہ

پسندیدہ شاعر : علامہ اقبالؒ

اور بس — !

اس طرح کچھ زندگی کو دار پر نیند آگئی

جیسے شبنم کو گلِ پُر خار پر نیند آگئی

ریشمی آنچل میں شب کے سو گئی یوں چاندنی

جیسے دیوانے کو پائے یار پر نیند آگئی

الوداع اے بیکسی کہ خفتگانِ راہ کو

چلتے چلتے آستانِ یار پر نیند آگئی

اک انا الحق کی صدا ہر موج گویا کر گئی

حضرتِ منصور کو جب دار پر نیند آگئی

اب بھی زہرہ پوچھتی ہے ارتقائے زندگی

کیوں تجھے اس منزلِ دشوار پر نیند آگئی

سن کے آواز کھنکتے ہوئے پیمانوں کی
قسمتیں جاگ اٹھی ہیں ترے دیوانوں کی

اہلِ وحشت یونہی آئے نہیں منزل کے قریب
دھجیاں اڑ گئیں کتنے ہی گریبانوں کی

روز اٹھتے رہے ساحل سے تلاطم لیکن
ہم تو ہنستے رہے آغوش میں طوفانوں کی

خاک آلود جبینیں ہی نظر آتی ہیں
عقل مانا کہ بلندی پہ ہے انسانوں کی

جنّتیں ملتی ہیں ہر گام پہ زہرہ مجھ کو
صورتیں کس نے بدل ڈالی ہیں ویرانوں کی

وہ اشک نہیں ہرگز جو آنکھ سے ڈھل جائے
اس درد کی قیمت کیا جو دل سے نکل جائے
یا آج کی دنیا کا، انسان سنبھل جائے
یا عالمِ فطرت کا عنوان بدل جائے
شاید دلِ دیوانہ اب سوزِ دروں لے کر
اس عالمِ امکاں سے کچھ دور نکل جائے
وہ محفلِ ہستی کا یک گوہرِ یکتا ہے
جو اشک لہو بن کر پلکوں پہ سنبھل جائے
پڑ جائے نگاہوں کی، گر ایک کرن ساقی
گرتا ہوا راہی بھی، ممکن ہے سنبھل جائے
اب تو ہی بتا زہرہ نیرنگ گلستاں میں
اس پھول پہ رونا کیا جو شاخ پہ جل جائے

میمونہ تسنیم

آپ انہیں بہت اچھی طرح جانتے ہیں !
مگر شاعرہ کی حیثیت سے نہیں ناول نگار کی حیثیت سے !
جی ہاں ۔ یہ "سوز ناتمام" کی تخلیق کار ہیں اور "سوز ناتمام" کے
ہندوستان اور پاکستان میں کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں
مگر میمونہ تسنیم پبلشروں کی بے ایمانی سے اس قدر نالاں ہیں
کہ اپنے دوسرے ناول اور مجموعہ چھپوانے کی ہمت نہیں کرتیں ۔
ریاست میسور کی میمونہ تسنیم کو ایک اور بھی شکایت ہے وہ
یہ کہ دکنی ادیبوں اور شاعروں کو اپنا جائز مقام کیوں نہیں
مل رہا ہے ۔
بہر حال ۔۔۔
تسنیم جگر کے داغوں کو منت کشِ درماں کون کرے ؟

نغمۂ بہاراں

ارمان کی ہلکی موجوں میں دھارے کی روانی آتی ہے
فطرت کے حسیں جلووں کو لئے ہر چیز سہانی آتی ہے
شاخوں کی لچک پھولوں کی مہک غنچوں کا تبسم کیا کہئے
کلیوں کی چٹک سبزے کی مہک بلبل کا ترنم کیا کہئے
کانٹوں نے سنورنا سیکھ لیا، فطرت کا تکلم کیا کہئے
ہر چیز نکھر سی جانے لگی، ہر شے پہ جوانی آتی ہے
فطرت کے حسیں جلووں کو لئے ہر چیز سہانی آتی ہے
مخمور سی آنکھیں توبہ شکن اور شوخ نگاہیں دزدیدہ
پلکوں کی گھنیری چھاؤں میں ارمان ہوں جیسے خوابیدہ
انجان سہانے سپنوں کی تعبیریں اس میں پوشیدہ

شوخی بھی حیا کے پردے میں جانی پہچانی آتی ہے
فطرت کے حسیں جلووں کو لئے ہر چیز سہانی آتی ہے

ہر تارِ نفس میں نغموں کی جھنکار سی ہے پنہاں پنہاں
الفت کی مہکتی وادی میں، امید کی کھلتی ہیں کلیاں
میخوار چلے ہیں جام بکف، لرزیدہ قدم لرزاں لرزاں
پیغامِ بہاراں ساتھ لئے ساقی کی جوانی آتی ہے
فطرت کے حسیں جلووں کو لئے ہر چیز سہانی آتی ہے

جی چھوٹ گیا دل ٹوٹ گیا اب زیست کا ساماں کون کرے

اس سونی اجڑی محفل میں بے کار چراغاں کون کرے

لو غم کے تلاطم میں گھر کر، پتوار چھٹا، کشتی ڈوبی!

ساحل کی تمنّا لاحاصل — اندیشۂ طوفاں کون کرے

جب ان کے ستم ہیں عین کرم، شکوہ نہیں لازم الفت میں

پھر ان کی جفا کا ذکر ہی کیا، اب ان کو پشیماں کون کرے

پلکوں پہ ستارے کیا چمکے، کچھ کانپ اٹھے کچھ ٹوٹ گئے

رو رو کے ہنسی تو بھول گئے، اب ہنسنے کا ارماں کون کرے

عنواں ابھی سوچا بھی نہ تھا، افسانے کی کڑیاں ٹوٹ گئیں

ان ٹوٹی بکھری کڑیوں کے، مل جانے کا ارماں کون کرے

ہر سانس تڑپ کر کہتی ہے، فریاد کا اب احساں نہ لے

مانا کہ اثر ہے نالوں میں، پر ان کو پریشاں کون کرے

دنیائے محبت میں اکثر، چپ رہنا ہی راس آتا ہے

تسنیمؔ جگر کے داغوں کو منت کشِ درماں کون کرے

پھر تصور میں ڈوب جاتا ہے

ضبطِ غم! تجھ کو آزماتا ہے

شمعِ ماضی سے روشنی لے کر

بزمِ ویراں کو پھر سجاتا ہے

دل میں طوفان اشک ہے لیکن

بزم میں ان کو مسکراتا ہے

جن پہ روحِ نشاط ناز کرے

گیت ایسے ہی گنگناتا ہے

جھلملاتے سے آبگینوں میں

حسرتوں کا بس اک فسانہ ہے

کتنی آہیں لبوں پہ تھرائیں

کتنی آہوں کو مسکراتا ہے

روح فرطِ طرب سے وجد میں ہے

آج انہیں حالِ دل سناتا ہے

زبیدہ نسرین

اور یہ ہیں زبیدہ نسرین !
میمونہ تسنیم کی چھوٹی بہن ۔
ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر عبدالکریم کی صاحبزادی
ریاست میسور کی نوخیز شاعرہ ۔
مگر ہمیشہ اونچی اڑان کی عادی ہیں ، فکر کی گہرائیوں میں ڈوب کر
ابھرنا چاہتی ہیں ۔
اور اس بزم میں "عورت" لیکر آئی ہیں ۔ !

عورت

بیوی :

زیب و زینت ہے محل کی، خانۂ مفلس کا نور
رونقِ ایواں ہے تو اے مرکزِ لطف و سرور
عصمت و عفت کی دیوی، جنتِ ارضی کی حور

یہ تری رنگیں نوائی، تیرا اندازِ بیاں
تیرا ہلکا سا تبسم، باعثِ تسکینِ جاں

خدمت و ایثار تیری زندگی کا مدعا
اک مجسم حسن و خوبی، پیکرِ مہر و وفا
تیری ہر دلکش ادا ہے آئینہ دارِ حیا

وجہِ عشرت یعنی تکمیلِ بہارِ زندگی
باعثِ آرامِ جاں، عز و وقارِ زندگی

●

ماں :

زندگی تیری بدولت باعثِ صد افتخار
تیرے باعث قصرِ ہستی کی بنا ہے استوار
جاں نثاری مہر و الفت ہے سدا تیرا شعار

ساقیٔ صہبائے الفت، عفو کی تصویر تو
چارہ سازِ رنج و غم ہے قابلِ توقیر تو

تربیت سے تیری حاصل ہے حیاتِ جاوداں
نغمہ ہائے کیف آگیں، حاملِ عزمِ گراں
تیری آغوشِ مقدس کیوں نہ ہو رشکِ جناں

پیکرِ ایثار و الفت، رحمتِ یزداں ہے تو
ماں مقدس نام ہے جس کا وہی ایماں ہے تو

بہن :

کون ہے دکھ کے تصور سے ہی ہوتی بیقرار
کون اس پے لوٹ الفت سے ہے کرتی جاں نثار
کس کی آنکھیں فرطِ الفت سے ہیں ہوتی اشکبار

انتہا ایثار و قربانی کی تیری ذات ہے
تجھ سے وابستہ ہیں قربانی کے سارے مرحلے

بیٹی :

خوابِ الفت کی حسیں تعبیر، انوارِ حیات
جلوۂ معصومیت، تابندہ جس سے کائنات
شوخ دل آویز فطرت سے ہے جس کو انتساب
ہے حیا دولت تری، معصومیت تیرا حجاب
نورِ عصمت سے جبیں روشن ہے مثلِ ماہتاب

ایک شعر :

اپنے پہلو میں خزاں لے کے بہار آئی ہے
ہم نے دامن کو جو پھولوں سے سجانا چاہا

رخشاں روحی

رخشاں روحی نے پس و پیش کرتے ہوئے اتنا بتایا۔

"شاد کی سرزمین میں آنکھ کھولی اور وہیں پروان چڑھی،
ان دنوں ٹیگور کی جنم بھومی کلکتہ میں قیام ہے۔
زندگی میں کوئی ایسا واقعہ درپیش نہیں ہوا جو دوسروں کے لئے
اہم ہو۔
گھر کی ذمہ داریوں سے جب فرصت پاتی ہوں تو گنگنانے لگتی
ہوں اور یہی گنگناہٹ جب الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہے تو شعر
وجود میں آجاتا ہے۔"

اپنے پیمان محبت کو نبھاؤ تو سہی
آئینہ عہدِ گذشتہ کو دکھاؤ تو سہی
کون کہتا ہے کہ پروانوں میں وہ بات نہیں
تم سرِ راہ کوئی شمع جلاؤ تو سہی
ناز تم کو ہے بہت اپنی چمن بندی پر
گلشنِ دل کے شگوفوں کو کھلاؤ تو سہی
میری شوریدہ سری کا نہ گلہ ہوگا تمہیں
خلوتِ دل میں ذرا چپکے سے آؤ تو سہی
زندگی کی ہے تمنا، نہ اجل کی خواہش
جام ایسا کوئی تم آج پلاؤ تو سہی
ساری دنیا مری آواز سے چونک اٹھے گی
مسکراؤ تو سہی، ساز اٹھاؤ تو سہی
آج بھی کتنی جبینوں میں ہے سجدوں کی تڑپ
جانِ رخشاں کبھی تم بام پہ آؤ تو سہی!

جھوٹی محبتوں کا زمانہ ہے آج کل
کچھ دوستوں کا دوستی پیشہ ہے آجکل

تسکین جس سے دل کو نہ ذوقِ نظر کو ہو
کہنے کو وہ بھی رشکِ مسیحا ہے آجکل

نکلی تھی میں زمانے کو پہچاننے مگر
پہچاننے کی خود کو تمنا ہے آج کل

اب کس طرح سے راہِ وفا میں اٹھے قدم
ہر بوالہوس کے سر میں یہ سودا ہے آجکل

یوں عاشقی کا دعویٰ تو سب ہی کو ہے مگر
کہتے ہیں جس کو عشق وہ عنقا ہے آجکل

جس کی ضیا سے چاند ستارے ہیں ضوفگن
نظروں میں اس کی صورتِ زیبا ہے آجکل

رخشاںؔ ترے خلوصِ محبت کی خیر ہو
ظاہر پرست سارا زمانہ ہے آجکل

ثریا محمود ندرت

چوتھی جماعت کے ماسٹر نے اعلان کیا:
جو بچہ لفظ "قسطنطنیہ" بالکل صحیح لکھ دے گا، اسے پانچ روپے انعام ملے گا۔
کہنے کی دیر تھی سبھوں نے کوشش شروع کر دی مگر سبھوں نے غلط لکھا کسی نے 'س' کی جگہ 'ص' لکھا اور کسی نے 'ط' کی جگہ 'ت'۔
اور جب ننھی ثریا کی باری آئی تو ماسٹر نے ان کے ہاتھ پہ پانچ روپے کا نوٹ رکھ دیا۔

اور ثریا محمود نے خالص ادبی ماحول میں پرورش پائی ان کے والد محمود ادراجی میکش "صہبا" نکالا کرتے تھے۔ ثریا نے جو غالباً ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئی تھیں ۱۹۵۹ء میں ادیب ماہر کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ پہلی غزل 'شمع' دہلی میں ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی تھی جس کا مطلع تھا۔

دھوکے کھائے ہیں گو ہزار اب تک
ہے مگر ان کا اعتبار اب تک

قاضی نذرالاسلام کے دیش میں نغمہ سرائی کر رہی ہیں اور سید حرمت الاکرام سے مشورۂ سخن کرتی ہیں۔

بیباک نگاہی کا اثر بھول گئے ہم
کیا چیز تھی وہ شوخ نظر بھول گئے ہم

نشتر تھی کہ مرہم، نہ ہوا فیصلہ اب تک
کیا شے تھی تری پہلی نظر بھول گئے ہم

اک بے خبری سی ہے فقط، یاد ہے اتنا
ہے بھی کہ نہیں اپنی خبر بھول گئے ہم

روشن ترے جلووں سے ہے فردا کا تصور
گذری ہوئی ہر شام و سحر بھول گئے ہم

آیا تھا کبھی اپنے بھی ہونٹوں پہ تبسم
مدت ہوئی اے دیدۂ تر بھول گئے ہم

کھینچے لئے جاتا ہے کوئی جلوۂ بیتاب
ہے منزلِ مقصود کدھر بھول گئے ہم

نشتر سا کوئی تیر گیا روح میں ندرت
کی پھر شبِ غم کیسے بسر بھول گئے ہم

تابندہ عزائم کا ثمر لے کے چلی ہوں
سرمایۂ انوارِ سحر لے کے چلی ہوں

کچھ کم نہیں یہ بھی صلۂ راہ نوردی!
منزل نہ سہی، گردِ سفر لے کے چلی ہوں

ذرّوں نے ترے کوچہ کے دی ہے مجھے آواز
نذرانہ کو میں لعل و گہر لے کے چلی ہوں

بھٹکیں گی اندھیروں میں نہ اب میری دعائیں
دامن میں تجلیٔ اثر لے کے چلی ہوں

اک طرزِ عطا ان کی محبت کا ہے یہ بھی
پھولوں کی تمنا تھی شرر لے کے چلی ہوں

بے رنگ نہ رہ جائے غمِ عشق کی تصویر
گر کچھ نہ سہی خونِ جگر لے کے چلی ہوں

انجامِ سفر کی مجھے کیوں فکر ہو ندرتؔ
میں ساتھ ہی انجامِ سفر لے کے چلی ہوں

نیلوفر ناہید

نیلوفر ناہید اور اردو زبان ؟
یہ دو متضاد چیزیں تھیں۔ نیلوفر ناہید مغربی زبان کی دلدادہ تھیں، انگریزی اسکول 'لارٹیو' میں تعلیم حاصل کی اور 'اردو' کا نام بھی گوارا نہیں تھا۔
مگر کبھی کبھی معجزے بھی تو ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔
کیمرج کے امتحانات کے دوران یہ سخت بیمار ہو گئیں اور ایک طویل عرصہ بعد جب صحت یاب ہوئیں تو دنیا ہی بدلی ہوئی تھی
ضدی ناہید بیحد مخلص اور ملنسار بن گئی تھی اور اردو میں دلچسپی بے انتہا بڑھ گئی تھی۔
آرزو سہارنپوری کی رہنمائی میں ادیب ماہر بن گئیں اور پھر ادیب کامل میں بھی کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۵۰ء میں شعر گوئی کی ابتدا ہوئی۔
مغربی شعراء میں کیٹس، شیلی، ملٹن اور ورڈسورتھ انہیں بے حد پسند ہیں اور اردو شعراء میں میر، غالب، اقبال اور فانی انہیں متاثر کر سکے ہیں۔

رگ و پے میں سرایت کر چکے ہیں نشترِ غم کے
ہمارا عشق پھر بھی خام کیوں ہے سوچنا ہوگا

الٰہی! خیر ہو تارے ابھی سے ٹمٹماتے ہیں
فسردہ آج اتنی شام کیوں ہے سوچنا ہوگا

جسے عائد کیا جاتا تھا اہلِ عشق پر اکثر!
تمہارے سر بھی وہ الزام کیوں ہے سوچنا ہوگا

●

رسمِ جنوں میں چاک ہو یوں دامنِ حیات
ان کی نظر بھی چاہے تو ہرگز رفو نہ ہو

میں ترکِ آرزو پہ تو آمادہ ہوں مگر
ہاں ترکِ آرزو بھی کوئی آرزو نہ ہو

آتی نہیں ہے شوق میں ناہید پختگی
جب تک طریقِ عشق میں دل کا لہو نہ ہو

ارباب محبت نے تراشے ہیں صنم اور
تبخانۂ فطرت کا نہ کھل جائے بھرم اور

کرتا رہے سیراب غمِ دل کوئی اے کاش
اور میں یہ کہے جاؤں، دیئے جائیے غم اور

کچھ کم نہیں تو بھی مگر اے گردشِ دوراں
ہم کیا کہیں اس بت کا ہے اندازِ ستم اور

اک پردۂ ہستی نہ ہو گر بیچ میں حائل
دنیائے محبت میں نہ تم اور، نہ ہم اور

وہ سامنے منزل کے نظر آتے ہیں آثار
اے پائے شکستہ یونہی بس چند قدم اور

اس راز سے واقف نہیں کافر ہو کہ مومن
دنیائے محبت کے ہیں دیر اور، حرم اور

جتنا کوئی مٹتا ہے رہ عشق میں ناہید
ان کی نگہ ناز کا ہوتا ہے کرم اور

بانو طاہرہ سعید

بلاشبہ اردو زبان پر فارسی کے بہت سے احسانات ہیں، خاص طور پر اردو شاعری پر فارسی کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔ اور بانو طاہرہ سعید بھی اردو زبان کے لئے فارسی کا ایک عطیہ ہی ہیں۔ نسلاً ایرانی ہیں اور شمالی ہند کی پیدائش ہے۔ فارسی کلام کی ملکۂ ایران بھی مداح رہ چکی ہیں اور اردو کلام کا مجموعہ "برگ سبز" بھی منظر عام پر آچکا ہے۔

کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ چودہ کہانیوں کے ایک مجموعہ پر ۱۹۵۹ء میں آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی نے پہلا انعام دیا تھا۔ افواج ہند کے بریگیڈیر جی ایم سعید کی شریک حیات ہیں اور خود بھی گریجویٹ ہیں ــــ!

اندھیرا

کتنا گھنگھور گھٹاٹوپ اندھیرا ہے یہاں
داغِ دل سے بھی اجالا نہیں ہونے پاتا
شعلۂ آہ بھی دیتا نہیں لو ہلکی سی !
زندگی جلتی ہے مشعل نہیں جلتی کوئی
آنسو پگھلی ہوئی آتش کی طرح بہتے ہیں
ایسی آتش کہ نہیں جس میں ذرا بھی دمک
پر تپش ایسی کہ دوزخ بھی جھلس کر رہ جائے
کیسا اندھیر ہے، ویرانی ہے، اندھیارا ہے
رات ہی رات ہے راتوں کا مگر کیف نہیں
اس جزیرے میں مرا گھر ہے سیہ بختی ہے
اور اطراف جزیرے کے ہے کالا ساگر
ڈوب جاتے ہیں سفینے جہاں امیدوں کے

——— کتنا گھنگھور گھٹاٹوپ اندھیرا ہے یہاں

بڑی دلچسپیوں سے جشنِ طوفاں ہم نے دیکھا ہے
قریبِ آشیاں بجلی کو رقصاں ہم نے دیکھا ہے

سجاوٹ جن کی کی جاتی تھی پھولوں اور افشاں سے
انہیں زلفوں کو با حالِ پریشاں ہم نے دیکھا ہے

جہاں شمعیں فروزاں تھیں جہاں حوریں غزلخواں تھیں
وہیں پر ہم نشیں "یک ہو" کا عالم ہم نے دیکھا ہے

نمودِ صبح کے آثار دیکھے شب کی ظلمت میں
خزاں کے رخ پہ خود رنگِ بہاراں ہم نے دیکھا ہے

دلِ مجنوں سے پوچھے کوئی کیفیتِ دشت پیمائی
محبت میں بیاباں کو گلستاں ہم نے دیکھا ہے

غنیمت ہے کلی کی مختصر سی مسکراہٹ بھی
جہاں میں طاہرہ رنجِ فراواں ہم نے دیکھا ہے

امینہ محمد ایوب شاہین

"میں نے جب تک انہیں نہ دیکھا تھا، میں انہیں ایک کہنہ مشق ادیبہ سمجھتی رہی۔ ان کے اردو فارسی کے رچے ہوئے مذاق اور انداز فکر نیز اسلوب بیان سے ایسا سمجھنا حق بجانب بھی تھا۔۔۔۔۔ اور جب میں نے انہیں دیکھا تو سناٹے میں آ گئی۔ نہایت کم سن نرملی تیلی ایک طالبۂ علم! ۔۔۔ مگر خدوخال اور بشرے، ان کی شخصیت بڑی دلکش اور بڑی سہانی ہے۔ ان کے خیالات کی پاکیزگی بلند فکری اور ذوق علم وادب نے ان کی ہستی کو پرعظمت بنادیا ہے۔

"آپ کو موسیقی، ڈرائنگ، پینٹنگ کا بھی شوق ہے۔ سینے پرونے اور خانہ داری میں بھی طاق ہیں مگر ان کا سب سے بڑا کمال اس کمسنی میں طبیعت کا ٹھہراؤ اور سنجیدگی کے علاوہ ان کے انداز فکر کو سمجھتی ہوں جس کا عکس ان کے اسلوب بیان سے جھلکتا ہے اور وہ دن دور نہیں جب کہ وہ خواتین میں بحیثیت ادیبہ "شبلی" ثابت ہوں گی۔"

اصغری بیگم سحر

سوز ہو جب تک نہ شامل ساز میں
جان پڑ سکتی نہیں آواز میں
عشق کی نظریں نہ کھائیں گی فریب
حسن آجائے کسی انداز میں
مسکرائی، مسکرا کر رہ گئی
زندگی دل کے شکستہ ساز میں
جذب کر لیں دل نے جتنی بجلیاں
تھیں کسی کی جلوہ گاہِ ناز میں
تو فضا پروردہ ہے، پرواز کر
زندگی ہے لذتِ پرواز میں
راز بن جاؤ گی شاہین ایک دن
کیا ملے گا جستجوئے راز میں

یہ ہے بیخودی کا عالم، کہ وہ میرے روبرو ہیں
مجھے جرأتِ تکلم، دلِ ناتواں نہیں ہے

مرا حسن ہے مکمل، مرا عشق ہے مدلل
یہ شہیدِ آرزو کی، کوئی داستاں نہیں ہے

مرے دل کی وسعتوں کا ذرا جائزہ تو لے لو
غمِ دوجہاں ہے اس میں، غمِ جانِ جاں نہیں ہے

یہ حجابِ حسن کیسا، یہ تکلفات کیوں ہیں
کوئی میزباں نہیں ہے، کوئی مہماں نہیں ہے

•

منعطف ان کی توجہ ہوگئی میری طرف
اللہ اللہ، ان کو حسنِ انتخاب آ ہی گیا

بے خودی میں تھا مری، ہر لمحہ اک ربطِ نظام
ہوشیاری سے مجھے جب اجتناب آ ہی گیا

آمنہ نفاست حزیںؔ

دامانِ لطفِ دوست سے پیوستہ آس ہوں
کیوں لوگ کہہ رہے ہیں مجھے میں اداس ہوں

تم کہہ رہے ہو مان لیا میں اداس ہوں
پھر بھی یہ بات کم تو نہیں غم شناس ہوں

وقتِ طلوعِ صبح بھی جب میں اداس ہوں
یہ ماننا پڑے گا مجھے میں اداس ہوں

پیہم جو غم کشیدۂ حالات یاس ہوں
پھر سوچنا پڑے نہ کہیں میں اداس ہوں

اب مشکلاتِ راہ سے میں بے ہراس ہوں
جب سے کہا ہے تم نے کہ منزل کے پاس ہوں

ہر لمحہ وقفِ شوق ہوں صرفِ سپاس ہوں

اے دوست! خواہ تیری ادا ناشناس ہوں

غم، کیا ہوا جو تجھ سے ہے لوگوں کو اجتناب

مجھ سے بہو داد خواہ، میں منت شناس ہوں

رک جائیں تھوڑی دیر کو لمحاتِ مرگ و زیست

میں صرفِ کارِ تجزیۂ یاس و آس ہوں

پنہاں ہے جس میں دوست کا اخلاص ناتمام

اس داستانِ شوق کا میں اقتباس ہوں

میرا قلم مورخِ حالات دہر ہے

میں گردشِ زمانہ کا اک انعکاس ہوں

مغموم بھی حزین بھی ہوں اور نامراد بھی

پھر بھی یہ زعم ہے کہ الم ناشناس ہوں

٥

گیت

لمحہ لمحہ کہاری ہے
سوئی جیون کیاری ہے
آنکھ سے آنسو جاری ہے
آج مجھے رو لینے دو — آج مرا دل زخمی ہے

پاؤں ہیں زخمی دل بیمار
جیون پتھ پر آگے ہیں خار
رستہ چلنا ہے دشوار
آج مجھے رو لینے دو — آج مرا دل زخمی ہے

کلیوں کا چٹکنا کھلتا ہے
چڑیوں کا چہکنا کھلتا ہے
پھولوں کا مہکنا کھلتا ہے
آج مجھے رو لینے دو — آج مرا دل زخمی ہے

بدرالنساء عرشی

کب پیدا ہوئیں یہ والدین کو بھی خبر ہوگی اور مدت زندگی کا پتہ
اللہ ہی ہوگا، بہر حال ان دنوں انٹر کی طالبہ ہیں اور شاعری
کی ابتدا ساتویں جماعت سے ہوئی۔

اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ:
یہ مشاعروں میں شرکت نہیں کرتیں، رسائل میں کلام چھپوانے
تک ان کا شوق محدود ہے، اور یہ بہت بڑی بات ہے۔
قدیم روہیل کھنڈ کے قدیم دارالخلافہ آنولہ ان کا وطن ہے
اور فیض، فراق، روش، ساحر وغیرہ کو پسند کرتی ہیں۔

بیخودی میں بھی خود آگہی ہے
معتبر میری دیوانگی ہے

میرے دل نے پکارا ہے مجھ کو
یا مجھے تم نے آواز دی ہے

موت کے نام سے ڈرنے والے
موت آئینۂ زندگی ہے

یہ جہانِ ستم توبہ توبہ
آدمی دشمنِ آدمی ہے

بھاگنا کیا غمِ زندگی سے
زندگی خود غمِ زندگی ہے

یوں غموں میں گرفتار ہے دل
بیچ خاروں کے جیسے کلی ہے

کشمکش میں ہے عرشیؔ زمانہ
وقت کی سانس ٹھہری ہوئی ہے

جنت جسے کہتے ہیں صدیوں کی کہانی ہے
جب دل کو نہیں کچھ غم، ہر چیز سہانی ہے
اب نامِ محبت پہ آنسو نکل آتے ہیں!
گو ترکِ محبت کی روداد پرانی ہے
یوں گردشِ دوراں نے دل میرا کیا چھلنی
جیسے کسی دلہن کی، کانٹوں میں جوانی ہے

کہتے بھی یہ کیا بجنت کے مارے ہوئے انساں
ہر ظلم پہ سو بار ادا شکر کیا ہے!
سرمایۂ احساس جنونِ عشق لٹا کر
دیکھیں گے کہ اس دور میں کون اہلِ وفا ہے

اور

یہ حادثہ اک اور بھی دلسوز ہوا ہے
دنیا نے ہمیں عشق میں ناکام کہا ہے

رقیہ محوی

نام : رقیہ خاتون

تخلص : محوی

پیدائش : دسمبر ۱۹۲۹ء

تعلیم : اردو، فارسی، عربی، انگریزی۔

شغل : کتب بینی، شاعری، باغبانی دستکاری۔

جائے پیدائش : رانچی۔

والد کا نام : خانصاحب الطاف حسین خاں (مرحوم) سب انسپکٹر پولیس۔

شوہر کا نام : ایس، ایم محی الدین

اور

محوی نے دستکاری میں، رانچی ڈسٹرکٹ نمائش کے مقابلوں میں کئی بار پہلا انعام حاصل کیا۔ یہ غزل گو شاعرہ نہیں ہیں۔ مزاج قنوطیت پسند ہے اور کلام میں جذباتِ رنج و غم اور احساس یاس و الم کے نقوش ملتے ہیں۔

بس چل نہ سکا ساقی ورنہ، کیا کیا نہ چرا کر پی جاتے
ہم کیفِ مجسم ساقی کو، آنکھوں میں چھپا کر پی جاتے

بدمست فضائے فطرت کو، آنکھوں میں دبا کر پی جاتے
توبہ کا جھٹک کر دامن ہم، واعظ کو دکھا کر پی جاتے

پتھر کا کلیجہ کر کے بھی، ہم تابِ نظارہ کھو بیٹھے
اے جلوۂ جاناں ورنہ تجھے پلکوں سے اٹھا کر پی جاتے

دامن میں حیا کے پھول بڑی حکمت سے کھلائے جاتے ہیں
احساس کے کانٹوں میں ورنہ ہم آگ لگا کر پی جاتے

کیا جانے کہاں کھو جاتے ہیں یہ شوخ کہ ہم اکثر محویؔ
اک رات نظامِ ہستی کو قدموں پہ جھکا کر پی جاتے

محبت کر نہیں سکتے، عداوت کر نہیں سکتے
دلِ ناداں کسی کی ہم شکایت کر نہیں سکتے

ستارے اوج پر ہوں گے ڈھلے گا سر سے سورج بھی
کڑی ہو دھوپ ہم تو ہیں ہمت کر نہیں سکتے

جو تم آشوبِ دوراں ہو تو ہم رسوائے عالم ہیں
کہ اہلِ دل کبھی دل سے بغاوت کر نہیں سکتے

تمہیں منظور تسکینِ جراحت ہو تو ممکن ہے
مسیحا، دل کی تسکینِ جراحت کر نہیں سکتے

وہ نازِ حسن ان کا، اور یہ ہے سادگی ان کی
ستم کرنا نہیں آتا، عنایت کر نہیں سکتے

فریبِ زندگی کو زندگی کہتا پڑا محرومیِ
حقیقت یہ کہ اظہارِ حقیقت کر نہیں سکتے

رئیسہ یاسمین

۱۹۳۷ء میں بھوپال کے ایک متوسط مگر معزز خاندان میں پیدا ہوئیں اور میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔
بچپن میں اکثر و بیشتر مختلف شعراء کے اشعار گنگنایا کرتی تھیں اسی ادبی شوق میں لاشعوری طور پر شاعری کو اپنے لئے منتخب کرلیا اور راشد صدیقی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔
مشرقی ممالک کی لڑکیوں پر ویسے بھی سخت پابندیاں عائد کردی جاتی ہیں، یہ بھی اسی گھٹن کا شکار رہیں، مگر غیر ضروری پابندیوں سے بغاوت کی اور ان دنوں ایک اسکول مسٹریس کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔
ہلکی پھلکی عام فہم اور سادہ غزلیں کہنے اور ترنم سے پڑھنے کا انہیں بے حد شوق ہے۔!

ہم ہیں اور گردشِ زمانہ ہے
یہ نیا ظلم بھی اٹھاتا ہے
اشک پی پی کے عمر کاٹی ہے
زندگی کا یہی فسانہ ہے
دیا الزام التفات کو بھی
روٹھ جانے کا بس بہانا ہے
تم نے بھی کی نہ میری غم خواری
بے کسی کا بھی کچھ ٹھکانا ہے
کس لئے روئیں جب مقدر میں
زخم کھا کھا کے مسکرانا ہے
مجھ پہ بیداد کچھ نئی تو نہیں
طورِ دنیا کا یہ پرانا ہے
یاسمیں میرے دل کی بات ہے یہ
ان کی نظروں میں جو فسانا ہے

اپنے دل کو فگار کرتی ہوں
یاد انہیں بار بار کرتی ہوں

ایسے لمحوں میں جب سکوں نہ ملے
آپ کا انتظار کرتی ہوں

آج ویرانیوں کی خاطر میں
یہ بہاریں نثار کرتی ہوں

گرچہ تم سے مجھے وفا نہ ملی
پھر بھی میں اعتبار کرتی ہوں

تم یہ رازِ حیات کیا جانو
دل کو کیوں بیقرار کرتی ہوں

غم دیا جس نے یاسمیں ہمکو
اس پہ سب کچھ نثار کرتی ہوں

صہبا بانو اٹاوی

لیجئے ، انہیں سے سنئے :

"میری شادی کو تیرہ سال ہو گئے ہیں اور میری عمر اس وقت پچیس سال کی ہو گی۔ اب وہ زندگی گذار رہی ہوں جس کی تشریح حضرت مجاز لکھنوی مرحوم نے اپنی نظم "آوارہ" میں کی ہے "اے غم دل کیا کروں ، اے وحشت دل کیا کروں" بچوں کو پڑھا کر اپنا دل بہلاتی ہوں۔ ویسے خدا کا شکر ہے کہ میرے عزیز و اقارب اور میرے بچے مجھے زندگی کی تلخیاں محسوس نہیں ہونے دیتے۔ بچپن ہی سے مجھے شاعری سے دلچسپی رہی ، جو میری کم سنی ہی میں شادی کا باعث بنی۔

کھلتا کسی پہ کیا مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اور میری کوشش ہمیشہ یہی رہی ہے کہ اپنے تاثرات اور خیالات کو شعروں کی شکل دے دوں ـــــ"

حسین صبح نہیں پُربہار رات نہیں
جو تم نہیں تو کہیں رونقِ حیات نہیں

جو زندگی میں کہیں غم کی واردات نہیں
سکونِ قلب نہیں، لذتِ حیات نہیں

گذر گئی جو ترے گیسوؤں کے سائے میں
مرے نصیب میں شاید اب ایسی رات نہیں

بہت عزیز ہے ہر لمحۂ حیات اے دوست
میں کس زباں سے کہوں تیرا التفات نہیں

خدا کا شکر جو ہونا تھا ہو گیا، لیکن
وہ چشمِ ناز پشیمانِ التفات نہیں

وہ خواہ مجھ سے رہیں کتنے ہی خفا صہبا
شعارِ عشق کا ترکِ تعلقات نہیں

وہ چشمِ ناز اٹھ کے عجب کام کر گئی
اک برق تھی جو قلب و نظر سے گذر گئی

دل ڈھونڈتا ہے پھر ترے لطفِ نگاہ کو
وارفتگیٔ شوق کی دنیا کدھر گئی

تھی اضطراب ہی سے محبت کی زندگی
تم مل گئے تو لذتِ سوزِ جگر گئی!

ضبطِ فغاں سے دل کا بھرم ہے تو برقرار
پھر کیا کریں گے ہم جو فغاں بے اثر گئی

تیرے سوا جہان میں آیا نہ کچھ نظر
ہنگامِ انتظار جہاں تک نظر گئی

انجامِ زندگی کا مجھے یاد آ گیا
ساغر چھلک اٹھا تو مری آنکھ بھر گئی

صہبا وہ اک نگاہ قیامت سے کم نہ تھی
ہشیار کر کے جو مجھے دیوانہ کر گئی

ہما ٹونکی

ان کے شوہر محمود خاں پہلے خان بہادر تھے اور اب کنٹراکٹر موٹر سروس ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہما صاحبہ ہر روز تقریباً پچاس شعر کہہ لیتی ہیں۔ ان کے مکان پر ہر روز مشاعرہ ہوتا ہے اور ہر روز نئی غزل ہوتی ہے۔ کبھی کسی سے مشورۂ سخن نہیں کیا۔ اور بس!

تمہارے غم شبِ غم دلاسہ رہے ہیں
یہی دردِ دل کا مداوا رہے ہیں

جھلک وہ تصور میں دکھلا رہے ہیں
مقدر کو یوں میرے چمکا رہے ہیں

تماشائی جب تک رہے بزم میں وہ
تو محفل میں ہم ہی تماشا رہے ہیں

مسرت سے بھی غم کا درجہ سوا ہے
وہ خود میرے غم کا مداوا رہے ہیں

نوازش کا طالب زمانہ رہا ہے
ہمیں تو ستم بھی گوارا رہے ہیں

ہماؔ کو مقدر پہ ہے ناز اپنے
کہ تقدیر کا وہ ستارا رہے ہیں

ٹوٹا ہوا دل کہتے ہیں میخانے میں جس کو
ساقی ترے ہاتھوں میں وہی جام نہیں ہے
تاریکی ستاروں میں ہے کیا بات ہے کوئی
کھولے ہوئے گیسو تو سرِ بام نہیں ہے

•

بڑھتے بڑھتے درد ہی بن جائے گا اک دن دوا
اے دلِ ناکام کچھ دن کی پریشانی ہے یہ

•

آتشِ عشق کو حاصل ہے کیا بھڑکانے سے
ذکرِ دیوانے کا کیوں چھیڑا ہے دیوانے نے
اس طرح جل کے سرِ بزم کرے گا بدنام
یہ توقع تو نہ تھی شمع کو پروانے سے

•

اس میکدۂ چشم کی مے عام نہیں ہے
نظروں سے پلاتے ہیں وہاں جام نہیں ہے

میورپنکھ

• ——— بہترین شاعرات کا انتخاب

شفیقہ فاطمہ شعریٰ

مری شب دراز تھی اور مہر بھی دور تھا
جو بجھا چراغ تو چاندنی نے کرم کیا

مرے دشت سے جو شہاب روٹھ کے چل دیا
مجھے غم بہت تھا مگر میں اس کو چھپا گئی
میں بھٹک رہی تھی مگر کچھ اس کی خبر نہ تھی
کہ مرے قریب بہت قریب ہی اک ندی
بڑے پیار سے بڑے دھیان سے ہے لگی ہوئی
مرے روز و شب کی جراحتوں کے شمار میں

مجھے اعتبار ملا تمہاری نگاہ میں
میں مثالِ برگِ گیاہ تھی مجھے تم نے دی
وہ خوشی جو ہر الم کہن کا صلہ بنی
میں ہری بھری رہی اس جہانِ خراب میں

اداجعفری بدایونی

فریب کاریٔ تخئیل پہ جو اتر آئے
اب ایسے سرکش و ناداں کو کون سمجھائے

ہزار غنچوں نے چاہا الگ تھلگ رہنا
جو کوئی شوخ کرن آپ ہی الجھ جائے

گرہ کشائیٔ شبنم کی داد کیا دیں ہم
ہنسی کیساتھ ہی آنکھوں میں اشک بھر آئے

نگاہِ قہر کی گرمی کی تاب کیا لاتے
نگاہِ مہر کی شوخی سے بھی جو کملائے

تری نگاہ کی حیرانیوں کے افسانے
مری نگاہ کی نادانیوں نے سلجھائے

ادا جعفری

ڈھلکے ڈھلکے آنسو ڈھلکے
چھلکے چھلکے ساغر چھلکے

دیکھو دیکھو دامن الجھا
ٹھہرو ٹھہرو ساغر چھلکے

ان کی تمنا، ان کی محبت
دیکھ سنبھل کے دیکھ سنبھل کے

پل میں ہنساؤ، پل میں رلاؤ
پل میں اجالے پل میں دھندلکے

کتنے الجھے، کتنے سیدھے
رستے ان کے رنگ محل کے

دل کے تقاضے ان کے اشارے
بوجھل بوجھل ہلکے ہلکے

ان کا تغافل، ان کی توجہ
اک دل اس پر لاکھ تہلکے

غم نے اٹھائے سینکڑوں طوفاں
دل نے اٹھائے لاکھ محلکے

لاکھ منایا، لاکھ بھلایا
نین کٹورے بھر بھر چھلکے

خوش جو آئے تھے پشیمان گئے
اے تغافل، تجھے پہچان گئے

خوب ہے صاحبِ محفل کی ادا
کوئی بولا تو برا مان گئے

کوئی دھڑکن ہے نہ آنسو نہ امنگ
وقت کے ساتھ یہ طوفان گئے

اس کو سمجھے کہ نہ سمجھے لیکن
گردشِ دہر، تجھے مان گئے

تیری ایک ایک ادا پہچانی
اپنی ایک ایک خطا مان گئے

اس جگہ عقل نے دھوکہ کھایا
جس جگہ دل ترے فرمان گئے

زہرہ نگاہ

صبر و ضبط کے لیکر بے شمار نذرانے

تیری یاد آئی تھی، آج مجھ کو سمجھانے

پا گئے ہیں منزل کو خود بخود ہی، دیوانے

عقل کے دور اسپے پر کھو گئے ہیں فرزانے

تم نے بات کہہ ڈالی، کوئی بھی نہ پہچانا

ہم نے بات سوچی تھی، بن گئے ہیں افسانے

ان نئی بہاروں پر، ان نئے نظاروں پر

ایک رند ہی کیا ہے، رو رہے ہیں میخانے

ہائے کیا مصیبت ہے، ہائے کیا قیامت ہے

ہم ہی کھا گئے دھوکہ، ہم چلے تھے سمجھانے

سحاب قزلباش

محبت میں سکوں محرومیوں کے بعد آتا ہے
کہ جب ہر آسرا مٹ جائے تب دل چین پاتا ہے

خود اپنا ہی لہو آواز کو رنگیں بناتا ہے
کچل جاتا ہے جب دل تب کہیں نغمہ سناتا ہے

یہ کیا ضد ہے کہ دنیا بھی رکھو اور جی نہ میلا ہو
یہ دنیا خوش ہی جب ہوتی ہے جب دل ٹوٹ جاتا ہے

کرم کیسا ہمیں تو نرم لہجہ سے بھی وحشت ہے
طبیعت خوش تو ہو جاتی ہے پر دل تھرتھراتا ہے

سحاب قزلباش

حقارت سے نہ دیکھو دل کو جامِ جم بھی کہتے ہیں
اسی خاکِ تپاں کو فاتحِ عالم بھی کہتے ہیں

یہ دل کی داستانِ مضطرب ہے جس کو دنیا میں
کہیں آنسو کہیں موتی کہیں شبنم بھی کہتے ہیں

مسرت کے پجاری، تجھ کو یہ عشرت مبارک ہو
یہ دنیا ہے مسرت کی یہاں پر غم بھی کہتے ہیں

زمانہ کہہ رہا ہے تم نے گلشن ہی مٹا ڈالا
مروّت بر طرف، لو آج ایسا ہم بھی کہتے ہیں

ملکۂ دکن حضور دلہن پاشا بیگم۔ اعجاز

ان کو عہدِ وفا کی لاج نہیں
دردِ دل کا کوئی علاج نہیں

دو ہی دن میں بدل گیا وہ رنگ
کل جو تھا لطف مجھ پہ آج نہیں

درد دینے لگا مزہ دل کو
اب دوا کی کچھ احتیاج نہیں

سارا عالم ہے بندۂ اخلاق
کوئی سلطاں سا خوش مزاج نہیں

تاجور زیبؔ عثمانیہ

توصاحبِ تدبیر، نہ میں صاحبِ تدبیر
تدبیر پہ موقوف ہے ہر قوم کی تقدیر
مغرب کی نظر کیفیتِ امارت سے پُرازخواب
مشرق کی نگاہوں میں عیاں قوتِ تعبیر
سازش میں جہاں شام وسحر نقش خرد ہو
انسانیت اس ملک میں ہے بیکس ودلگیر
بولا کہ خودی اور خدائی میں تفاوت
یزداں سے جو پوچھی گئی اوہام کی تفسیر

اے زینت پلٹ آئی ہیں اس راہ سے قومیں
ناکام رہی غرب کی یہ کوششِ تزویر

"متاعِ حرم" کی مصنفہ

صفیہ شمیم ملیح آبادی

بگولے لاکھ اٹھیں شعلہ سامانی نہیں جاتی
سحر تک شمعِ محفل کی درخشانی نہیں جاتی

جسے شیخ و برہمن نے عجب سانچے میں ڈھالا ہے
وہ شے محسوس تو ہوتی ہے پہچانی نہیں جاتی

قمر بے نور ہو جائے، تبسم چھوڑ دیں غنچے
بدل جائے زمانہ، خوئے انسانی نہیں جاتی

بہاریں آئیں بھی اور ہو گئیں رخصت مگر اب تک
گلستاں میں گلوں کی چاک دامانی نہیں جاتی

مری باغی تمنائیں الٹ دیں گی زمانے کو
ہے جب تک زندگانی شعلہ سامانی نہیں جاتی

شمیم حالات نے گو کر دیا باغی زمانے سے
مگر باتوں سے تیری بوئے انسانی نہیں جاتی

(حضرت جوش ان کے ماموں ہیں)

حجاب

عبرت کدۂ دہر کے والی ہم ہیں
افسوس کہ وقفِ پائمالی ہم ہیں
تیمور کے ہاتھوں نے لگایا تھا جسے
اس نخل کی سوکھی ہوئی ڈالی ہم ہیں

الٰہی اس وفا دشمن کو توفیقِ کرم دیدے
رہے یارب یہ ہستی پائمالِ مدعا کب تک
مری آنکھوں میں یاد ل ہے سفیدی ہے سیاہی ہو
خدا جانے یونہی ترسا کرے کی یہ گھٹا کب تک
نہ سونے دیں گے مدفن میں ترے تیمور افسانے
بیاں کرتی رہیگی شمع حالِ جاں گزا کب تک

شہزادی تیمور جہاں حجاب ۔۔ خاندان مغلیہ کی ایک یادگار!

نجمہ تصدق ایم اے بی ٹی

جس طرح صبح کے انوار کی بارش ہو جائے
یا در آغوشِ چمن زار میں طوفانِ بہار
پتی پتی پہ کھلا رکھا ہو قرآنِ بہار
کوئی پھولوں کا ہی لے کے سہارا سو جائے

یا ہو خوابوں کے جزیروں میں کوئی نغمہ طراز
جھوم کر آئے گھٹا میکدہ کندھے پہ لئے
کوئی صہبا کسی دوشیزہ کے ہونٹوں سے پئے
چھیڑ دے جیسے جوانی کوئی گونجا ہوا ساز

صحنِ میخانہ میں میکش کوئی رقصاں ہو جائے
دل کے ہر تار سے نغموں کی صدا آنے لگے
تاروں کی چھاؤں میں یا چاندنی لہرانے لگے
جیسے ویرانہ کوئی بزمِ چراغاں ہو جائے

آجکل یونہی مری عمر بسر ہوتی ہے — یعنی لمحاتِ محبت میں گذر ہوتی ہے

نجمہ رحمت اللہ بی اے

بہت ستایا ہے اس چرخ نیلگوں نے مجھے
جلا کے خاک کیا آتش دوراں نے مجھے

مرا یہ بخت سدا ہی ستم شعار رہا
یہ دل ہمیشہ ہی سینے میں سوگوار رہا

ہجوم غم نے رلایا ہے مجھ کو جی بھر کے
ان آنسوؤں نے مٹایا ہے مجھ کو جی بھر کے

ہوا زمانے کی اک دن نہ مجھ کو راس آئی
کبھی خوشی بھی نہ بھولے سے میرے پاس آئی

کبھی تو غیر نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کبھی پھر اپنوں نے دل میرا توڑ دیا

قدم قدم پہ مری آرزو کا مدفن ہے
تمام دنیا کے خار اور میرا دامن ہے

مضمور رضویہ

مجھ کو قدرت نے ودیعت کی ہے وہ حسنِ لطیف
روح میں چبھتی ہے نرم و پاک پھولوں کی شمیم
جگمگا اٹھتے ہیں میرے نوجواں ماضی کے خواب
چھیڑتی ہے شوخ کلیوں کو جو گلشن میں نسیم

چرخ پر سیمیں ستارے اس طرح ہیں منتشر
جیسے حورانِ بہشتی کی ردائے نور سے
گر پڑے ہوں چند غنچے ٹوٹ کر ہنستے ہوئے
یا حوادث سے فرشتے جب اثر لینے لگیں
روشن و بیتاب آنسو ان کی آنکھوں سے گرے
یا فریب نکہت و ناشاد کامی دیکھ کے
آسمانوں کی جبینوں پر پسینے آ گئے؟

(ستارے)

آمنہ برجیس

ہائے کیا تابشِ خورشید و رمِ شبنم ہے
میرے احساس کی دنیا بھی ترا عالم ہے

دل سے مٹ جائے محبت کہ بنے نقشِ دوام
آج جو کچھ بھی نہ ہو جائے جنوں سے کم ہے

کسی طوفانِ مسرت کی خبر ہے شاید
نغمۂ شوق کی لے آج جو کچھ مدھم ہے

نغمہ و ساز بھی، ساقی بھی مئے و مینا بھی
دل مگر پھر بھی پریشاں ہے یہ کیا عالم ہے

کیوں چھلک اٹھتی ہے رہ رہ کے یہ احساس کی مے
کیا مری یاد میں وہ چشمِ حسیں پرنم ہے

عشق ہی کیفِ جوانی ہے، مگر افسردہ
حسن ہی نقشِ حقیقت ہے مگر مبہم ہے

میرا افسانہ تو دل چسپ ہے لیکن برجیسؔ
نہ ہمہ نغمۂ عشرت، نہ ہمہ ماتم ہے

مرے نالوں سے شانِ ضبطِ غم مجروح ہوتی ہے
نہیں تو میں پلٹ دیتی نظام دہر دم بھر میں

شبِ فرقت کی بیتابی سے میں واقف نہیں لیکن
کسی نے جیسے کانٹے رکھ دیئے ہیں آج بستر میں

تخیل ہے کہ وحشت ہے، سمجھ میں کچھ نہیں آتا
خدا کیوں کر نظر آتا ہے ہر خاموش منظر میں

نہیں معلوم اس کے بعد کتنے انقلاب آئے
جنوں کے بعد اک صحرا ابھی آیا تھا مرے گھر میں

(بیگم شوکت تھانوی)

کنیز فاطمہ حیاؔ

نگاہِ شوق اگر دل کی ترجماں ہو جائے
تو ذرہ ذرہ محبت کا رازداں ہو جائے

زباں سے کیجیے رسوائے نالہ کیوں اس کو
وہ راز آنکھوں ہی آنکھوں میں جو بیاں ہو جائے

پھر اس کے رنج و غمِ دائمی کی حد ہے کوئی
جو اس جہاں میں گھڑی بھر شادماں ہو جائے

کسی سے کیا گلۂ جورِ آسماں کیجے
کہ جس زمیں پہ رہیں ہم وہ آسماں ہو جائے

بجا ہے محفلِ ہستی میں پاسِ رسوائی
گدازِ شمع مرے دل کی داستاں ہو جائے

اِدھر بھی اک نظر اے ابرِ نوبہارِ کرم
ہماری حسرتِ دیرینہ بھی جواں ہو جائے

حیاؔ ٹھکانہ بھی کچھ ایسی دردمندی کا
کہ لب تک آئے نہ اک حرف اور فغاں ہو جائے

چمن اپنا نہ گل اپنا نہ کوئی باغباں اپنا
طبیعت بجھ گئی اجڑا خوشی کا گلستاں اپنا

مری صبح مسرت بن گئی شامِ الم کیسی
ہے محوِ خوں فشانی یہ شبابِ نوحہ خواں اپنا

مقدر کی لکیریں مٹ نہیں سکتیں اگر یارب
نکل جائے تو پھر سینے ہی سے قلبِ تپاں اپنا

سنایا حالِ محرومی وہیں ہر لحظۂ رنگیں
جہاں الٹا نقابِ ماضیٔ دورِ جناں اپنا

حکایاتِ جنوں پھر لب پہ آتی ہے مگر عظمتؔ
فسانہ ہے لبوں پر اور نہیں افسانہ خواں اپنا

وفا ٹونکی

جیسے دل سینے میں ڈوبا ہی چلا جاتا ہے
کھوئی کھوئی مری حالت کبھی ایسی تو نہ تھی

اپنی ہستی پہ خود اک بار ہوئی جاتی ہوں
خود سے بیزار طبیعت کبھی ایسی تو نہ تھی

زندگی جیسے کہ ممکن ہی نہیں تیرے بغیر
تیرے آنے کی ضرورت کبھی ایسی تو نہ تھی

تجھ سے کچھ کہنے کا ارماں کبھی ایسا تو نہ تھا
تجھ سے کچھ کہنے کی حسرت کبھی ایسی تو نہ تھی

یوں وفا سے ہوئے ناراض تم اکثر لیکن
جیسی اب ہے تمہیں نفرت کبھی ایسی تو نہ تھی

نورجہاں نورؔ بدایونی

درستی اس دلِ صد چاک کی کیا تجھ کو مشکل تھی
نگاہوں میں تری تھے سینکڑوں تارِ رفو پنہاں

گلِ امید کی حسرت رہی میرے گلستاں کو
بہارِ لطف میں تیری تھے لاکھوں رنگ و بو پنہاں

ترستی رہ گئی ایک ایک قطرے کو مری محفل
تری چشمِ کرم میں گرچہ تھے جام و سبو پنہاں

کھلے گا ناخنِ تدبیر سے کیا عقدۂ مشکل
خرد سے ہے زیرِ دامانِ قضا نے حیلہ جو پنہاں

سعیدہ جہاں مخفیؔ

چشم تر دیکھ، غمِ دل نہ نمایاں ہو جائے
عشق کے سامنے حسن اور پشیماں ہو جائے
جانتا ہوں میں، تمنا کو گناہِ الفت
عشق وہ ہے جو نہاں رہ کے نمایاں ہو جائے
اپنی مجبوریٔ الفت کا فسانہ کہہ کر
ڈر رہا ہوں کہ کہیں وہ نہ پشیماں ہو جائے

داغِ الفت کی تجلی جو نمایاں ہو جائے
شعلہ طور بھی اک بار پشیماں ہو جائے
ضبطِ غم سے نہیں یارائے خموشی مجھ کو
تم جو کچھ پوچھ لو مشکل مری آساں ہو جائے
کاش یوں برق گرے خرمنِ دل پہ مخفیؔ
ذرہ ذرہ مری ہستی کا فروزاں ہو جائے

اختری بیگم قریشی بی اے بی ٹی دہلوی

دلِ غمگیں میں تصور رہے ترا شام و سحر
شب کو خوابوں کو مرے تو ہی نظر آتی ہے
تیرا پیکر ہے نہاں خندۂ گل میں شاید
تو مجھے کلیوں کی نکہت میں نظر آتی ہے

یا کہ تاروں میں چھپی بیٹھی ہے دنیا سے پرے
یا تو گھنگھور گھٹاؤں کی خبر لاتی ہے
ہے تصور میں مرے پیکرِ نورانی ترا
تو مجھے چاند کے ہالے میں نظر آتی ہے

یا کہ تو خوشۂ پروین میں روپوش ہوئی
چھپ کہاں جاتی ہے تو ، جبکہ سحر آتی ہے
دلِ مہجور کی تسکین کو آ ، رشکِ قمر
آ کہ دنیا مجھے تاریک نظر آتی ہے

(حمیرا کی یاد میں)

بلقیس جمال

ملا جنوں کو جو پیغامِ خار پیمائی
دہانِ دشت سے آوازِ الاماں آئی

عدم سے جوششِ وحشت میں تا وجود آئی
کہاں سے کھینچ کے مجھ کو قضا کہاں لائی

نقب لگا کے مری آہ ان کی پلکوں میں
نگاہِ ناز سے کچھ بجلیاں چرا لائی

یہاں تو گوشۂ دل ہی میں جانے کیا دیکھا
کلیم طور پہ کرتے ہیں خار پیمائی

جمالِ زار کی جانب نگاہ کیوں اٹھے
نظر کو ان کی ہے اندیشۂ مسیحائی

مصنفہ 'آئینۂ جمال' اور 'قوسِ قزح'

زاہدہ خاتون

خود کہتی ہے شوقِ دیدِ جاناں میرے دم سے ہے
ندائے بیخودی ہے رونمائے حسنِ وحدت ہوں

کہا میں نے کہ جنت پر رضائے دوست فائق ہے
رضائے دوست بولی، بے خبر! میں ہی تو جنت ہوں

شہادت گاہِ الفت میں کھڑی ہوں سر بکف کب سے
نکل اے خنجرِ قاتل کہ مشتاقِ زیارت ہوں

کیا مجنوں کو رہبر منتخب صحرائے وحشت کا
مقامِ شرم ہے اب تک مقیم کوئے حکمت ہوں

شاعرۂ شعلہ نوا زاہدہ خاتون شیروانی "آئینۂ حرم" "فردوس تخیل" کی مصنفہ تھیں۔ ۱۹۲۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔

انوار فاطمہ شمیم

شفق اور شام کی نیرنگیاں دل کو دکھاتی ہیں
جنوں بڑھتا ہے اور اشکوں سے پلکیں تھرتھراتی ہیں
فضا کی خامشی میں طائرِ شب رنگ کی تانیں
مرے جذبات خوابیدہ کو رہ رہ کر جگاتی ہیں
خنک راتوں میں وہ مہتاب کی ننھی حسیں کرنیں
سکونِ شیشۂ دریا پہ جس دم مسکراتی ہیں
جگر میں ہوک سی اٹھتی ہے دل بیتاب ہوتا ہے
تمنائیں اسی میں جذب ہو کر کھوئی جاتی ہیں
زمانہ اُف محبت کا اور اس کی پر سکوں راتیں
مری تخئیل کی دنیا کو آ آ کر بساتی ہیں

محبت کی صبوحی پیتے تھے اور شاد رہتے تھے
کبھی وہ دل تھے اس دنیا میں جو آباد رہتے تھے

محترمہ انوار فاطمہ لکھنوی، پروفیسر کراستھ ویٹ گرلس کالج الٰہ آباد
نے ۱۹۴۰ء میں وفات پائی۔

برجیس جود نازشؔ

زہے خالقِ دو عالم، ترا کام حکمرانی؛
میں رہوں وقفِ سجدہ ریزی، یہی میری زندگانی
کہیں گریہ ہو رہا ہے، کہیں رقصِ شادمانی
ہے عجیب حیرت افزا، یہ طلسمِ زندگانی
جو سوال لب پہ آئے تو ہوں واجبِ سزائیں
یہ ابھی سے کیوں قضائیں ہے ہمارے لئے لن ترانی

یہ مرا نیاز دیکھو، تمہیں ناز کی قسم ہے
یہی ایک سجدہ مجھ کو ہے حیاتِ جاودانی
مری عاجزی میں پنہاں ہو غرض یہ غیر ممکن
تمہیں منصفی سے کہہ دو، ہے روا یہ بدگمانی
تمہیں خوف کیوں ہے اتنا جو بدن لرز رہا ہے
نہ خاک جانا نازشؔ، یہ ہے حیاتِ جاودانی

محترمہ نازشؔ اٹھارہ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔

انگڑائیاں

* ــــــــــــــ اچھی شاعرات کے بہترین اشعار

شکیلہ اختر

میں دردِ زندگی کا سوزِ پنہاں لے کے آئی ہوں
دلِ بیدار کی شمعِ فروزاں لے کے آئی ہوں

خزاں میں دعوتِ جشنِ بہاراں لے کے آئی ہوں
بہ فیضِ دل چمن بندی کے ساماں لے کے آئی ہوں

چھلک… ہیں آنسوؤں کے صبحِ خنداں لیکے آئی ہوں
لہو رو رو کے دامن میں گلستاں لے کے آئی ہوں

یہ داغِ دل یہ نالے یہ نشیمن کا سلگ جانا
اندھیری رات میں مہرِ چراغاں لے کے آئی ہوں

چمن اپنا، بہار اپنی تو پھر گل شعلہ ساماں کیوں
یہ نیرنگِ نظر! میں چشمِ حیراں لے کے آئی ہوں

بدل کر موسمِ گلشن، مزاجِ باغباں بدلو
سرائے کاوشِ غم، میں یہ عنواں لے کے آئی ہوں

شکیلہ اختر اردو کی مشہور افسانہ نگار ہیں۔

ہوا کی لہروں پہ بہتا بہتا کہیں سے اک گیت آ گیا ہے
تڑپ اٹھی یاد پھر کسی کی، کسی کا غم پھر سسک رہا ہے
وہ جا چکے ہیں مگر مرے دل کی دھڑکنوں کا وہی ہے عالم
کچھ آہٹیں بھی بکھر رہی ہیں، سکوت بھی مسکرا رہا ہے
ترے حضور آج نغمۂ آخریں کا انعام چاہتی ہوں
وہ ایک آنسو جو آج پلکوں پہ تیری آ کر ٹھہر گیا ہے

کنول نسیم کنجاہی ______

جو ہاتھ صداقت کی حمایت میں اٹھیں گے
ہر عہد میں وہ ہاتھ قلم ہوتے رہیں گے
صحراؤں میں کھو جائیں گے انوارِ بہاراں
انوارِ سحر رات میں ضم ہوتے رہیں گے

سیدہ مجیدہ ______

نہ کیجے آسمانوں کی تمنا زمیں بھی ہاتھ سے جاتی رہے گی

نایاب سلطانہ ______

ساغرِ گل پہ مے کے قطرے ہیں
یا مرے دل کے داغ ابھرے ہیں

کہہ رہی ہے مہک نظاروں کی
وہ ابھی اس طرف سے گذرے ہیں

کیسے کہہ دوں کہ آپ آ جائیں
میری دنیا پہ غم کے پہرے ہیں

ـــــــــــ ظفر بانو

یونہی ذرا خموش جو رہنے لگے ہیں ہم
لوگوں نے کیسے کیسے فسانے بنا لئے

شانِ کرم پہ حرف نہ آجائے اے خدا
ہم نے اگر دعا کیلئے ہاتھ اٹھا لئے

ـــــــــــ بیگم سرور

ہم نے جب پھونک دیا عشق کے کاشانے کو
مل گیا جلوۂ نو دہر کے غم خانے کو

اور سب بھول چکے شدتِ اندوہ میں ہم
اک ترا نام ہے باقی ہے جو یاد آنے کو

ـــــــــــ رفیعہ بیگم خواجہ

گو تمنائیں مچلتی ہیں بہت　　بختِ ناکام سے ڈر لگتا ہے

فہمیدہ تابش ________

خالقِ مہر و ماہ دیکھ ذرا　　خاک پر کتنے چاند گہنائے

تابہ کہ صبح کی دعا اے دل　　پھر وہی رات پھر وہی سائے

درشہوار شبنم ________

مجھ کو احساس نہ تھا میری محبت اک دن
اپنے ہی آپ سے بیگانہ بنا ڈالے گی
پھر کبھی بھول سے بھی نام نہ لینا میرا
دنیا اس نام کا افسانہ بنا ڈالے گی

سیدہ فاطمہ جبیں ________

ساقی کی مے فروش نگاہوں کے روبرو　　اب تک سوال گردشِ جام و سبو تو ہے

حنا اکبر آبادی ________

میری دنیا میرے ارماں میرے خواب
رو پڑے ہم دل کے ٹکڑے جوڑ کر
اب ذرا آواز تو دینا ہمیں
جا رہے ہیں تیری محفل چھوڑ کر

شمس النساء بیگم گونڈہ —

غمِ جاناں کی بات کرتے ہو — دشمن جاں کی بات کرتے ہو
کیسے دیوانے ہو کہ وحشت میں — جیب و داماں کی بات کرتے ہو

ناز پھپھوندوی —

شہرِ دل سے برات بیت گئی — وصل کی ایک رات بیت گئی
بات کا زخم بھر نہیں سکتا — یوں تو کہنے کو بات بیت گئی
جب کبھی آپ یاد آتے ہیں — دل پہ اک واردات بیت گئی
ایک لمحے کو آنکھ جھپکی ہے — لوگ کہتے ہیں بات بیت گئی

عاصمہ مظفر حنفی —

چمن تو جل گیا باقی رہے کچھ ادھ جلے تنکے
انہی تنکوں سے پھر ہم نے بنائے آشیاں رکھ دی

—— فریدہ کاشانی

آپ نے بدلی نگاہیں یہ نئی بات نہیں
دل بھی بیگانہ ہوا جاتا ہے اب کیا ہوگا
دل کا وہ راز زباں تک جو نہ آیا شہناز
ہائے افسانہ ہوا جاتا ہے اب کیا ہوگا

—— شہناز بشیر بدر

ہم اپنے پیار کے نغموں میں گم رہے لیکن
ہمیں خبر نہ تھی، دنیا میں اور بھی غم ہیں
بڑے جتن سے ملے کتنے ہم اور نہ سمجھا تھا
خوشی کے پھول یہاں مگر بہت کم ہیں

—— بلقیس ظفیر الحسن

کنول ہم نے وہ ہونٹ ہی سی لئے ہیں جو تھے دمبدم التجا کرنے والے

_______ کنول بھارتی

ہائے وہ انتظار کا عالم جب کسی کا بھی انتظار نہ ہو
ان سے ہوں محوِ گفتگو لیکن رازِ دل ان پہ آشکار نہ ہو

_______ امتیاز سحاب

رنگینیٔ نظر کو مری داد دیجئے
کہنے کو حسین آپ مگر اس قدر کہاں
سر پھوڑنے چلا ہے کہاں اے جنونِ غم
ان کے حریمِ ناز میں دیوار و در کہاں

_______ نرملا دیوی نرملؔ

جنہیں بھروسہ ہو آسماں پر وہ آسماں سے پناہ مانگیں
میں اپنے جلووں سے مطمئن ہوں میں چاند تاروں کو کیا کروں گی

_______ عاصمہ انصاری

سمجھ رہے ہیں جسے آپ عظمت کونین

خطا معاف اسی آستاں سے گذرے ہیں

ٹھہر گیا ہے زمانہ جہاں رکے ہیں قدم

حیات جاگ اٹھی ہے جہاں سے گذرے ہیں

——— عذرا نازی

زباں پر مہر خامشی، خیالوں پر ہے پابندی

یہ ذکر شوق بھی اب شورش قلب نہاں تک ہے

——— زیب النساء مخفی

مری زندگی نہ سنور سکی مرے خواب سارے بکھر گئے

میں خزاں رسیدہ کلی ہوں اب مجھے کیا بہار سے واسطہ

بڑی بے خودی میں نکل پڑی، اسے زرینہ خبر ہو راہ کی

جہاں قافلے لٹے روز و شب، اسی رہ گذار سے واسطہ

——— زرینہ ثانی ایم اے

نقاب ان کے رخِ انور سے سرکی خوشا تقدیر اربابِ نظر کی

——— محمودہ خاتون

جس کے شعلوں میں دھڑکتے ہیں جواں مردوں کے دل

اس دہکتی آگ میں آنچل سکھا سکتی ہوں میں

اک نیا پیغام ہیں میری جبیں کی سلوٹیں!

ان لکیروں سے نئی دنیا بسا سکتی ہوں میں

——— حمیدہ بانو گیاوی

ہٹ چلی تھی عشق کے ماتھے سے سجدوں کی خلش

حسن کی بیمار آنکھوں میں نمی آنے لگی

——— کنیز فاطمہ گیاوی

سن لینا کبھی نغمۂ داؤد بھی مجھ سے

لیکن ابھی کچھ جذب و اثر ڈھونڈ رہی ہوں

——— شمیم آرا اعظیم آبادی

مری نگاہوں پہ پابندیاں کریں عائد تخیلات کی وسعت گھٹا نہیں سکتے

نصیرہ رازؔ

صحنِ گلشن میں جو آتی ہیں گھڑی بھر کے لئے
اُن بہاروں پہ کبھی روحیؔ نظر جاتی نہیں

روحی علی اصغر

دل سے جب دل گفتگو کرتا ہے ازراہِ خلوص
پاس جو بیٹھے ہیں ان تک کبھی صدا جاتی نہیں

زبیدہ رعناؔ

کون سی منزل پہ جا پہنچے اسیرانِ قفس
اب تو ہم تک آپ کی آواز بھی آتی نہیں

مہر النساء مہرؔ

پھر دل کے بنانے کا سودا ہے کئی دن سے
کرتی ہوں بہم منتشر اجزا کئی دن سے

زاہدہ خلیق الزماں

کرم کرتے نہیں، چلئے نہ کیجئے ستم کی لذتوں کا پوچھنا کیا

آفتاب جہاں دہلوی

نیاز و ناز نامقبول دونوں　　نہ سمجھی میں کہ ہے تیری رضا کیا

——— سپہر آرا پنہاں

جھٹ پٹے سے دل بجھا رہتا ہے تیری یاد میں

چاندنی رات میں اشکوں کو رواں پاتی ہوں میں

——— جمیلہ خاتون تسنیم

پھر آرزو ہے یہ کوئی پوچھے حدیثِ غم

آنکھوں میں ہے تہیۂ طوفاں سا آجکل

——— صابرہ سلطان حزیں

ایک امید تو بندھ جائے تسلی نہ سہی

اور جو یوں بھی نہیں منظور تو یہ بھی نہ سہی

میں سمجھتی ہوں کہ موت آ نہیں سکتی شبِ غم

دل میں باقی ابھی امید ہے ان کی نہ سہی

——— خورشید اقبال حیا

شوخیاں بن کے جو چھا جائے نظر پر ساقی

ہے کوئی موج بھی ایسی ترے پیمانوں میں

——— خالدہ بیگم خالدہ

ایک دن وہ تھے کہ کھو جاتے تھے ذوقِ عشق میں

اب محبت کے تصور سے بھی گھبراتا ہے دل

______ سکینہ محمود

اے بیخودی خدا کے لئے ڈھونڈنا مجھے

کھوئی گئی ہوں سایۂ ابرِ بہار میں

______ شیریں خانم

ستمگر ہیں تو جب بھی ایک عالم ہے تمنّائی

اگر رسمِ وفاداری ادا کرتے تو کیا ہوتا

______ زینت بیگم عبرتؔ

نشاطِ حال بھی ہے کشتۂ اندیشۂ فردا

حصولِ مدعا میری نظر کا منتہا کیوں ہو

______ آمنہ خاتون عفتؔ

لیلیٰ کی کہانی تو برسوں کی پرانی ہے

اب اور سنا مجنوں تازہ کوئی افسانہ

______ غزالہ بریلوی

نقوشِ پا

انیسویں صدی کی بہترین شاعرات

مخفی

شہزادی زیب النساء مخفی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی سب سے پہلی اولاد تھیں اور ۱۶۳۸ء میں پیدا ہوئی تھیں اور ۱۷۰۱ء میں انتقال کیا تھا۔ بقول علامہ شبلی علوم عربیہ اور فارسی زبان دانی میں کمال رکھتی تھیں اور خود صاحب تصنیف گذری ہیں۔

جدا ہو مجھ سے مرا یار یہ خدا نہ کرے
خدا کسی کے تئیں دوست سے جدا نہ کرے

کہتے ہو تم نہ گھر مرے آیا کرے کوئی
پر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی

آ کر ہماری لاش پہ کیا یار کر چلے
خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے

احمدی :

اسے اس خطا پر پشیماں کیا　　محبت نے انساں کو انساں کیا

احمدی بیگم سوفی پیتہ، غالباً اولین صاحبِ دیوان شاعرہ تھیں مگر بدقسمتی سے وہ تلف ہو گیا۔

اختر :

تقصیر یار کی ہے نہ قصورِ عدو ہے کچھ

اختر ہمارے دل ہی نے ہمکو جلا دیا

خاندان تیموریہ کی نواب اختر محل بھی صاحب دیوان شاعرہ گذری ہیں۔

امراؤ :

باغِ عالم میں چھڑانا تھا اگر اپنوں سے

پہلے ہی سبزۂ بیگانہ بنایا ہوتا

حسینی بیگم امراؤ بہادر شاہ ظفرؔ کے عہد میں دہلی کی ممتاز شاعرہ تھیں۔

بیگم :

کچھ بے ادبی اور شب وصل نہیں کی

ہاں یار کے رخسار پہ رخسار تو رکھا

میر تقی میرؔ کی صاحبزادی تھیں۔

جان :

جان و دل بیچتے ہیں ہم اپنا　　ایک بوسے بدلے بوسستا ہے

تفصیلات نامعلوم ، نام تھا صاحب جان جاںؔ۔

جانی :

دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمنِ جانی

کچھ دل کا لگانا ہی ہمیں راس نہ آیا

بیگم جان جانی ، نواب قمرالدین کی دختر اور دائی اودھ آصف الدولہ

کی حرم تھیں۔

جعفری :

کہا منصور نے سولی پہ چڑھ کر عشق بازوں سے

یہ اس کے بام کا زینہ ہے آئے جس کا جی چاہے

کاملہ بیگم جعفری عالم شاہ کے زمانہ کی شاعرہ تھیں۔ شاہ نصیر سے تلمذ حاصل تھا۔

جمیعت

مقسوم کی خوبی ہے یہ قسمت کا ہے احساں

رہتا ہے خفا مجھ سے جو دلبر کئی دن سے

میجر آر جٹسن کی اہلیہ تھیں ، عرصہ تک آگرہ میں رہیں۔

چینا بیگم :

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم گئے   کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

جہاں دار شاہ بہادر ولی عہد دہلی کی محل خاص تھیں اور مرزا سودا سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

حجاب :

بن کے تصویرِ حجاب اس کو سراپا دیکھو

منہ سے کچھ بولو نہ آنکھوں سے تماشا دیکھو

نواب بیگم حجاب نواب واجد علی شاہ والی اودھ کی محلِ خاص تھیں۔

حجاب :

ان سے کہدو کہ ہمیں تم سے یہ امید نہ تھی

وعدہ ہم سے ہو نہ ہو غیر کے گھر وصل کی رات

منی بیگم حجاب کلکتہ کی تھیں، رامپور میں بھی رہیں۔ داغ کے ساتھ کئی افسانے مشہور ہیں۔

حیا :

نہ کیوں حیرت ہو یارب وہ زمانہ آگیا ناقص

حیا ڈھونڈے نہیں ملتی برائے نام سو سو کوس

حیات النساء حیا شاہ عالم بادشاہ دہلی کی دختر تھیں اور شاہ نصیر کی شاگرد تھیں۔

خورشید :

ہم تڑپتے ہیں تو ہنس ہنس کے یہ فرماتے ہیں

کیا ہوا اٹھا یہ ترا درد جگر وصل کی رات

خورشید جہاں خورشید کان پور کی رہنے والی تھیں۔

دلبر :

اللہ رے شوقِ کوچۂ قاتل کہ بعدِ مرگ

اڑ کر مرا غبار گیا کوئے یار میں

امراؤ جان دلبر کی زندگی کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

دلہن :

ایسے کم ظرف نہیں ہیں کہ بہکتے جائیں

گل کی مانند جدھر جائیں مہکتے جائیں

نواب آصف الدولہ والیٔ اودھ کی حرم اور نواب آصف الدولہ کی صبیہ تھیں۔

غریب :

اجل جو حسرتِ بوس و کنار میں آئی

چمٹ کے لاش کو قاتل نے خوب پیار کیا

بگن جان زینب لکھنؤ چوک میں حسن کی نمائش کرتی تھیں۔

مس ھورہ :

جان جاتی ہے تمہارے ہجر میں　　اب لپٹ جاؤ خدا کے واسطے

زہرہ انبالوی "حسن والوں" میں سے تھیں۔

سلطان :

صورت اس کی نظارہ آئے گی　　دل ہی دل میں کڑھا کرو بیٹھے

سلطان بیگم نواب معتمد الدولہ بہادر کی دختر تھیں اور صاحب دیوان تھیں۔

شوخ :

لے اڑی طرزِ فغاں بلبلِ نالاں ہم سے
گل نے سیکھی ہے روش چاک گریباں ہم سے

گدا بیگم شوخ نواب عماد الملک غازی الدین نظام وزیر عالمگیر کی اہلیہ تھیں۔

شوریدہ :

یہ جو ملنے میں ہے عار دیکھئے کب تک رہے
قلب میں اس کے غبار دیکھئے کب تک رہے

مس میرا فلورا سارکس شریر مینا صاحب بزم سکرٹری سے اصلاح لیتی تھیں۔

شیریں :

درد فراق ہی میں سدا مبتلا رہے

دنیا میں اس طرح بھی رہے ہم تو کیا رہے

نواب شاہجہاں بیگم فرماں روائے بھوپال صاحب دیوان شاعرہ گذری ہیں

شیریں :

کیونکر رہیں حواس جو قابو سے جائے دل

اے کاش موت آئے کسی پر نہ آئے دل

بیکا جان شیریں دہلوی نے اول اول میر مہدی سے مشورہ کیا اور پھر امداد

علی بحر سے ۔

صدر :

حسرت و آرزوئے وصل درد و مصیبت فراق

سب کا ہے لطف الگ الگ سب کا مزا الگ الگ

نواب صدر محل واجد علی شاہ کی اہلیہ تھیں اور صاحب دیوان شاعرہ تھیں ۔

ضیا :

پئے مشق جفا لاؤں کہاں سے تمہیں تو چاہئے روز اک نیا دل

سکندر جہاں بیگم ضیا میر امیر علی سابق کوتوال ریاست جاورہ کی صاحبزادی تھیں ۔

عفت

بوسہ کی طلب پر نہ کہو پھیر کے منہ ہاں
انکار کی صورت ہے یہ اقرار نہیں ہے

انہیں حیدر ظہیر دہلوی سے تلمذ حاصل تھا۔

عالم :

عالم وہ طلب گار ترے ہوں گے اسی دن
جب کوئی ستم اور وہ ایجاد کریں گے

عالم صاحبہ نواب واجد علی شاہ کی اہلیہ تھیں اور ایک دیوان تصنیف کر چکی ہیں۔

فاطمہ :

نازک مزاج وہ ہیں تو یاں بھی ہے تمکنت
ہم خود بھی ایسے ہیں کہ منایا جائے گا

فاطمہ آگرہ کی رہنے والی تھیں، بس ایک شعر باقی رہ گیا ہے۔

قمر :

وہاں حضرتِ دل تم کو زیست ہو جاتی
جو تم سے لطفِ سر زلف ہو بہو کہتے

قمر النسا، قمر اشرف علی خاں سرور کی اہلیہ تھیں۔

مشتری :

مے ہے گلزار ہے ساقی ہے گھٹا چھائی ہے

کہہ دو توبہ شکنوں سے کہ بہار آئی ہے

قمری جان مشتری کا وطن فیروزآباد تھا لکھنؤ چوک میں آ گئیں۔ آغا شمس استاد تھے۔

ملکہ :

ہو گئی نیند بھی ہمسایہ کی تا صبح حرام

میں نے نالہ جو کبھی رات سر شام کیا

اینی ملکہ مسٹر بلاکیر سپرنٹنڈنٹ پولیس کلکتہ کی صاحبزادی تھیں اور بعد میں اسلام قبول کر لیا۔

ناز :

منہ سے بولو تو ہی کاہے کی گھبراہٹ ہے

بات کی بات میں ہوتی ہے سحر وصل کی رات

بندی جان ناز آرہ میں رہتی تھیں۔

یاس :

اک نہ اک فرقت میں جاناں کی مرض ہم کو رہا

دردِ دل گر مٹ گیا دردِ جگر ہونے لگا

آفتاب بیگم یاس فیض آباد کی رہنے والی تھیں۔

سٹار پاکٹ بکس

اُردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والی پہلی پاکٹ سیریز